﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾

www.KitaboSunnat.com

منکرین حدیث اور
بی بی عائشہؓ
کے نکاح کی عمر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

﴿ نحمده ونصلی علی رسوله الکریم امابعد ﴾

موجودہ زمانے میں فتنہ انکار حدیث نے اچھی خاصی قوت پکڑ لی ہے اور اس فتنہ میں پاک و ہند کے وہ نیم ملا بڑھ چڑھکر حصہ لے رہے ہیں جنہوں نے علوم شرعیہ اور قواعد عربیہ کی تعلیم کہیں باقاعدہ طور پر نہیں لی بلکہ خود ہی اپنی عقل کا استعمال کر کے اور اپنے تئیں علامہ سمجھ کر خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور جدید انگریزی تعلیم کے حامل بہت سے افراد کو بھی اپنی اس گمراہی میں حصہ دار بنا رہے ہیں۔

اگر ہم ہندوستان میں انکار حدیث کے حاملین کا ایک جائزہ لیں تو اس میں عبداللہ چکڑالوی المتوفی ۱۳۳۲ھ ہجری کا نام سرفہرست آتا ہے جس نے علانیہ طور پر احادیث صحیحہ کا انکار کیا اسی طرح مولوی نذیر احمد دھلوی المتوفی ۱۳۳۰ھ ہجری بھی احادیث میں طعن و تشنع کیا کرتے تھے اور رواۃ حدیث کو جاہل قرار دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ حکمت عملی کے علوم سے جاہل تھے اور احادیث کے حقیقی معنی سے ناواقف تھے انھوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور اس ترجمہ پر وہ بہت فخر کیا کرتے تھے بحوالہ نزھۃ الخواطر ص۲۹۴ تا ۲۹۷ ج ۸ اسی طرح مولوی برکات احمد المتوفی ۱۳۴۷ھ ہجری حدیث پر عمل کرنے والوں پر بہت زیادہ زبان درازی کیا کرتے تھے انھوں نے علم حدیث سے بیزاری کا اظہار کیا جبکہ علوم فلسفہ میں بڑھ چڑھکر حصہ لیا اور آخر میں صوفیت کی طرف مائل ہو گئے تھے اسی طرح مولوی وصی احمد سورتی حنفی نصوص احادیث پر عمل کرنے والوں کے خلاف بہت تعصب برتتے اور ان پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے مذید برآں انھوں نے عمل بالحدیث کرنے والوں کی کتابوں سے مسائل اخذ کئے اور ان مسائل کو ان کو مذہب قرار دے کر ان مسائل کی وجہ سے اور عمل بالحدیث کرنے کی وجہ سے ان کو کافر قرار دیا اس شخص نے اپنے وقت کے ملاوں کے فتاویٰ جمع کئے جس میں یہ کہا گیا کہ عمل بالحدیث کرنے والوں اور تقلید کے منکرین کو اپنی مساجد سے نکال دیا جائے اس کتاب کا نام ''جمع الشواہد لاخراج غیر المقلدین من المساجد'' رکھا گیا اس فتاویٰ پر گھوڑے کی نعل کے برابر برابر مہریں ثبت کی گئیں بحوالہ نزھۃ الخواطر ص۵۱۶ ج ۸۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسکے بعد انکار حدیث کا ایک دوسرا دور سرسید احمد خان سے شروع ہوتا ہے، ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو سرسید احمد خان اسکی حکومت کو مضبوط کرنے کیلئے کمربستہ ہوگئے جس کے لئے انھوں نے ایک نہایت خوبصورت نظریہ یہ پیش کیا کہ ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کا مقابلہ اس وقت تک نہیں کرسکتے جب تک کہ انگریزی تعلیم حاصل نہیں کریں گے اسی اثناء میں انھوں نے انجیل کی شرح لکھی جس کا نام ''تبیین الکلام'' رکھا گیا جس میں اسلام اور عیسائیت کو ایک دین ثابت کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی گئی اور ایک مجمع علمی قائم کیا جس کا کام انگریزی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنا تھا اس کے علاوہ انھوں نے انگریزوں کے کھانوں کی حلت میں ایک کتاب بھی لکھی چناچہ ان تمام خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے انھیں ''سر'' کا خطاب عطا کیا مذید برآں انگریزی تعلیم کے فروغ کے لئے انھوں نے علی گڑھ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس کا نام وکٹوریہ رکھا گیا اس پر انگریزوں نے انھیں ''ہندوستان کا ستارہ'' تمغہ دیا ان کا رہن سہن انگریزوں جیسا تھا اور وہ اپنے گھر میں انگریزی طرز کے کھانے کھایا کرتے تھے انھوں نے قرآن کی من مانی تفسیر کی مثلاً قرآن میں قرآن کی طرف سے مخالفین کو دیئے گئے چیلنج کی یہ تفسیر کی کہ اس سے مراد بلاغت میں قرآن کی مثال بنانا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ چیلنج ہے کہ ایسی کتاب لاؤ جو ہدایت دینے میں قرآن کی مثال ہو اور انھوں نے کہا کہ قرآن میں جس جنت اور جہنم کا تذکرہ ہے وہ ظاہر میں کہیں موجود نہیں بلکہ اس سے مراد انسانی فہم وفراست میں آرام وسکون اور تکلیف مراد ہے۔بحوالہ نزھۃ الخواطر ص۳۰ ج۸۔

اور ماضی قریب میں سرسید احمد خان کی روحانی اولاد کے طور پر جو شخص نمودار ہوا وہ لاہور پاکستان کا ایک شخص غلام احمد پرویز ہے، اس شخص نے انہیں مذکورہ منکرین حدیث کے مذہب اور دین کو جاری رکھنے کیلئے پوری زندگی کھپادی اس نے مختلف کتابیں تالیف کیں جن میں لغات القرآن ،مفہوم القرآن ،آدم وابلیس اور مسئلہ تقدیر قابل ذکر ہیں، اس نے جنات کے وجود کا انکار کیا اور شیطان وابلیس کو انسانی جذبات وتخیلات سے تعبیر کیا اس اعتبار سے انسانوں سے علیحدہ اور انسانی نفس وجان سے باہر شیطان وابلیس کا اس کے مذہب میں کوئی وجود نہیں ہے اور اس نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے کام کرنیوالے جنات دراصل دیہاتی انسان تھے جو شہروں سے دور رہنے اور شہری لوگوں کی انکھوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے جنات کہلائے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پرویز صاحب نے باقی احادیث کے انکار کے ساتھ ساتھ ایسی احادیث کا بھی انکار کیا ہے جن کو امام بخاریؒ اور مسلمؒ اور دیگر جید علماء ومحدثین نے اپنی کتابوں میں صحیح اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ہے کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت عمر نو سال تھی، پرویز صاحب کی تائید میں ایک اور منکر حدیث محمود احمد عباسی نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے اور اسکو غلط قرار دیا ہے اور اسمیں یہ موقف اپنایا ہے کہ بی بی عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت نو سال نہیں بلکہ اٹھارہ سال تھی۔

محمود احمد عباسی کے بعد ابھی حال ہی میں ایک بزرگ نے ان مذکورہ منکرین حدیث کی تائید میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ''آؤ ناموس رسالت کی حفاظت کریں'' اس بزرگ کا نام ظہور احمد قرشی ہے ویسے ہماری رائے میں تو اس متفق علیہ مسئلہ کی تحقیق سے قبل چاہیے تو یہ تھا کہ یہ بزرگ پہلے خود اپنے نام کی تحقیق کرتے کیونکہ ''ظہور احمد'' بذات خود ایک بدعتی نام ہے اس قسم کے نام وہ لوگ رکھتے ہیں جو وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود اور حلول وغیرہ کا عقیدہ رکھتے ہیں چونکہ ظہور الٰہی کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی صورت وشکل میں ظہور فرمایا ہے چنانچہ ظہور احمد کا مطلب ہوا کہ احمد یعنی نبی کریم ﷺ نے اس شخص کی صورت میں ظہور فرمایا ہے یہ عقیدہ صوفیہ کے مشہور عقیدوں میں سے ہے اس قسم کے تمام نام سب سے پہلے انھوں نے ہی ایجاد کئے تھے بعد میں یہ نام اتنے مشہور ومعروف ہوگئے کہ اکثر صحیح العقیدہ ناواقف لوگ بھی یہ نام رکھنے لگے یہ نام اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے ایک زہر بھرا لفظ ہے مذکورہ کتاب کے مؤلف کو پہلی فرصت میں اپنا نام صحیح کرنا تھا مگر ناواقفیت کی بناپر غالباً وہ یہ کام کرنے سے رہ گئے اور منکرین حدیث کی کتابوں سے مواد جمع کر کے ناموس رسالت کی حفاظت کا بیڑا اٹھانے کی ذمہ داری لے بیٹھے۔

بی بی عائشہؓ کے نکاح کے وقت ان کی عمر نو سال ہونے پر قدیم زمانے سے تمام امت اسلامیہ کا اجماع رہا ہے اور صرف اس مغرب زدہ دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ناموس رسالت اور ناموس صحابہ کی دہائی دیکر اسکو تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور کروانا چاہتے ہیں تاکہ کسی طرح صحیح احادیث کے انکار کا دروازہ کھل جائے اور اگر ایک بار یہ دروازہ کھل گیا تو پھر خواہش پرست لوگ جس حدیث کو چاہیں گے قبول کریں گے اور جس کو چاہیں گے رد کردیں گے اسطرح وہ دین کو موم کی ناک بنا کر جس طرف چاہیں موڑ سکیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے لیکن ہمیں یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت تک ابلیس کے ان ناپاک عزائم کو کامیاب نہیں ہونے دیگا اور اپنے دین کی حفاظت اہل علم واہل حق کے ذریعہ برابر کرتا رہے گا۔

بی بی عائشہؓ کے نکاح کی عمر نو سال کے تعین پر نہ صرف اجماع امت ہے بلکہ اس ضمن میں وارد تمام احادیث صحت کے اعلیٰ درجہ پر اور متواتر ہیں، مجھے ایک فاضل دوست مولانا نسیم صاحب نے یہ رسالہ ''آؤ ناموس رسالت کی حفاظت کریں'' لاکر دیا اور حکم دیا کہ میں بی بی عائشہؓ کے نکاح کی حدیث کی وضاحت کروں چناچہ اپنے مہربان اور فاضل دوست کی فرمائش پر لبیک کہتے ہوئے اور موجودہ دور کے فتنہ انکار حدیث کو لگام دینے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھکو اس مسئلہ کے ضمن میں حق اور صحیح بات لکھنے اور قارئین کرام کو حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

﴿وصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا محمد﴾

عطاءاللہ ڈیروی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ اول: بی بی عائشہؓ کا نکاح کس عمر میں ہوا؟

صحیح بخاری میں بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نبی کریم ﷺ سے نکاح کے متعلق حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس باب کے تحت لائے ہیں اسکا عنوان اسطرح ہے:

﴿ بـاب انـكـاح الرجل ولده الصغار لقول الله تعالىٰ "واللائی لم يحضن" فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ ﴾

یعنی "باب اس بات پر کہ آدمی اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ [واللائی لم یحضن] یعنی نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ ہے" اس باب کے تحت جو حدیث امام بخاری لائے ہیں اسکے الفاظ یہ ہیں کہ:

﴿ حـدثنامحمد بن يوسف حدثنا سفيان عن هشام عن ابيه عن عائشةؓ ان النبی ﷺ تزوجهاوهی بنت ست سنين و ادخلت عليه وهی بنت تسع و مكثت عنده تسعا ☆رواه البخاری ، كتاب النكاح ﴾

یعنی "محمد بن یوسف نے کہا کہ مجھ سے سفیان نے کہا کہ ہشام نے اپنے والد عروہ سے روایت کرتے ہوئے بی بی عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے ان کا عقد ہوا تو انکی عمر چھ (٦) سال تھی اور جب رخصتی ہوئی تو وہ نو (٩) سال کی لڑکی تھیں اور شادی کے بعد وہ نو (٩) سال تک نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہیں" صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں بھی آئی ہے اور اس حدیث کی سند اور متن کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے لیکن موجودہ دور میں بعض لوگ جو احادیث کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے یا صحیح احادیث کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں رکھتے ہیں انھوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نوسال کی عمر میں لڑکی نابالغ ہوتی ہے اور نابالغ لڑکی کے نکاح کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دے سکتا اور دلیل کے طور پر اس حدیث پر بعض اعتراضات کئے ہیں یہاں انہیں اعتراضات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نابالغ لڑکی کے نکاح کا ثبوت قرآن سے:

مذکورہ مسئلہ یعنی بی بی عائشہؓ کا نو سال کی عمر میں نکاح متفق علیہ ہے اس نکاح کے وقوع سے لیکر آج تک اہل علم کے مابین یہ اتفاقی مسئلہ رہا ہے تمام اسلامی فرقے اس نکاح کو صحیح مانتے ہیں اور اسکا انکار صرف ان لوگوں کی طرف سے آیا ہے جو احادیث کی حجیت کے منکر ہیں خواہ وہ کسی دور میں بھی رہے ہوں نابالغ لڑکی کے نکاح کا ثبوت طلاق کے ضمن میں خود قرآن میں مذکور ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ والـلائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثة اشھر والـلائی لم یحضن ☆ سورة الطلاق ۴ ﴾

یعنی ''تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہوگئی ہوں اگر تمہیں شبہ پڑ جائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا عدت تین ماہ ہے'' حافظ ابن کثیر نے لفظ ''والـلائی لم یحضن'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ﴿ ولذا الصغار اللائی لم یبلغن سن الحیض ﴾ یعنی ان نابالغ لڑکیوں کی عدت بھی تین ماہ ہے جو حیض کو نہیں پہنچیں یعنی ان کا نکاح ہوا اور رخصتی بھی ہوئی پھر کسی وجہ سے ان کو طلاق ہوگئی اس لفظ کی تفسیر ابن جریر طبری نے مشہور مفسرین قرآن مثلاً سدی کبیر اور قتادہ اور ضحاک سے بھی یہی نقل کی ہے کہ اس لفظ سے ان نابالغ لڑکیوں کی عدت مراد ہے جو سن بلوغت کو نہیں پہنچیں اور ظاہر ہے کہ عدت طلاق کے بعد ہوتی ہے طلاق نکاح سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

امام ابن الجوزی نے تفسیر زاد المسیر ص۲۹۳ میں لکھا ہے کہ اس آیت کے سبب نزول میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ جب مطلقہ عورتوں اور جن کے خاوند فوت ہو گئے ہوں انکی عدت قرآن کریم میں سورۃ بقرۃ آیات ۲۲۷ تا ۲۳۲ میں بیان ہو چکی تو ابی بن کعبؓ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ مدینے کی عورتیں کہتی ہیں کہ قرآن میں کچھ عورتوں کی عدت کا ذکر نہیں آیا آپ ﷺ نے فرمایا کون عورتیں ابی بن کعبؓ نے کہا نابالغ لڑکیاں اور جن عورتوں کا خون بڑھاپے کی وجہ سے بند ہو چکا ہوا اور حمل والی عورتیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت کو امام واحدی نے اسباب النزول میں اور ابن جریر الطبری نے تفسیر میں اور حاکم نے مستدرک میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ص۴۹۲ ج۲) روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے نیز سیوطی نے درمنثور میں، اسحاق بن راھویہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں (ص۳۳۶۰ ج ۱۰) ابن مردویہ اور بیہقی کے حوالے سے اس کو ذکر کیا ہے اسی طرح حاشیہ زادالمسیر (ص۲۹۳ ج۸)، حافظ بوصیری نے اتحاف میں (ص۱۷۸ ج۸) پر اور حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ (ص۳۸۹ ج ۳) میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور علامہ نواب صدیق حسن خان نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لڑکی ہے جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچی اور تفسیر فتح البیان میں ہے کہ:

﴿ واللائی لم یحضن لصغرھن وعدم بلوغھن سن المحیض اولانھن لاحیض لھن اصلا وان کن بالغات قالہ الخطیب☆ ص۱۸۸ ج۱۴ ﴾

یعنی ''وہ عورتیں جن کو بچپن کی وجہ سے ابھی تک حیض نہیں آیا یا بالغ ہو جانے کے بعد بھی ابھی تک حیض نہیں آیا یہ بات خطیب نے کہی ہے'' اور تفسیر البحر المحیط میں ہے کہ:

﴿ وروی ان قوما منھم ابی بن کعب و خلا بن النعمان لما سمعوا قولہ، والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء قالوا یارسول اللہ ماعدۃ من لا قرأ لھا من صغر او کبرفنزلت ھذہ الایۃ ☆ ص۲۸۴ ج۸ ﴾

یعنی ''روایت میں ہے کہ جب صحابہ میں سے بعض لوگوں نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲۸ سنی تو اس پر نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ جن عورتوں کا حیض نہیں جیسے کہ نابالغ لڑکی جس کو ابھی حیض نہ آیا ہو اور بوڑھی عورت جس کا حیض بند ہو چکا ہو یہاں مذکور نہیں ہیں'' اسی طرح تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

﴿واللائی لم یحضن : یعنی الصغیرۃ ☆ ص۱۶۵ ج۱۸﴾

یعنی ''اس آیت میں واللائی لم یحضن سے مراد نابالغ لڑکی ہے'' اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ:

﴿ قلت : ارأیت الصغیرۃ التی قد جومعت والکبیرۃ البالغۃ ایکون القسم فی قول مالک قال نعم ☆ مدونۃ الکبریٰ ص ۲۷۱ ج۲ ﴾

یعنی ''میں نے کہا کہ امام مالکؒ کے قول میں ایک آدمی کی دو عورتوں ایک جماع شدہ نابالغ لڑکی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بڑی عمر کی عورت کے مابین تقسیم ضروری ہے یا نہیں انھوں نے فرمایا ہاں ضروری ہے'' اس قول سے ثابت ہوا کہ امام مالک کے نزدیک نابالغ لڑکی سے نکاح اور جماع جائز ہے جب وہ جماع کے قابل ہو۔

غلام احمد پرویز صاحب اپنے سوال وجواب کے مجموعہ '' قرآنی فیصلے'' میں لکھتے ہیں کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح جائز نہیں، اور اسکی دلیل قرآن کریم میں سوۃ نساء کی آیت ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح ﴾

یعنی '' یتیموں کی آزمائش کرلو جب وہ شادی کی عمر کو پہنچیں'' اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی ہر عمر میں نہیں کی جاسکتی بلکہ شادی کی ایک خاص عمر ہے یعنی بلوغت سے قبل شادی نہیں ہوسکتی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں سورۃ نساء کی اس آیت میں نکاح سے مراد جماع ہے کیونکہ نکاح کا لفظ عربی زبان میں صرف اس خطبہ کیلئے استعمال نہیں ہوتا جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے بلکہ اسکا اطلاق میاں بیوی کی مباشرت پر بھی ہوتا ہے اسکے علاوہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی اس آیت کا مطلب ہے کہ جب یتیم لڑکا اس قابل ہوجائے کے کسی عورت سے جماع کرسکے اور تم سمجھداری کے آثار بھی پاؤ تو اسے اس کا مال سونپ دو پس اس ضمن میں صحیح بات یہی ہے کہ نابالغ لڑکی سے نکاح اور اگر وہ جماع کے قابل ہو تو جماع بھی جائز ہے۔

نابالغ لڑکی کے نکاح کا اختیار باپ کو ہے:

امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ قال الشافعی : عن عائشةؓ قالت نکحنی النبی ﷺ وانا ابنة ست او سبع سنین و بنی بی و انا ابنة تسع : الشک من الشافعی ☆ کتاب الام ص ۱۳ ج۵ ﴾

یعنی '' کہا شافعیؒ نے بی بی عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ چھ یا سات سال کی عمر میں منسوب ہوئیں اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی'' امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی بنا پر نابالغ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لڑکی کا نکاح اس لڑکی کے باپ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا اگر کرے گا اور لڑکی کو وہ نکاح قبول نہیں تو وہ نکاح باطل ہے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ بی بی عائشہؓ کا نکاح ابوبکر صدیقؓ نے بی بی عائشہؓ سے پوچھے بغیر کردیا تھا اور وہ اس وقت نابالغ بھی تھیں نبی کریمﷺ نے یہ نکاح قبول فرمایا اور اس کو برقرار رکھا اسطرح یہ حدیث اسلام میں ایک اصول کا درجہ رکھتی ہے جس کے مطابق اگر نابالغ لڑکی کا نکاح اس لڑکی کا والد لڑکی کی رضامندی معلوم کیے بغیر کردے تو وہ نکاح قائم ہوجاتا ہے اور لڑکی کو اس نکاح کے رد کردینے کا کوئی اختیار نہیں البتہ اگر لڑکی کا نکاح اسکے باپ کے علاوہ کسی اور ولی نے اس کی مرضی معلوم کیے بغیر کردیا تو اس لڑکی کو اختیار ہوگا کہ اس نکاح کو منسوخ کردے اس طرح کہ گویا وہ نکاح ہوا ہی نہیں امام بخاریؒ نے بھی بی بی عائشہ صدیقہؓ کے نکاح والی روایت کو قرآن کی مذکورہ آیت (وللائی لم یحضن) کی تفسیر میں روایت کیا ہے صحیح بخاری میں اس روایت کے لئے یہ عنوان ہے کہ:

﴿ باب انکاح الرجل ولده الصغار لقوله تعالیٰ: واللائی لم یحضن: فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ ﴾

یعنی ''باب ہے اس بات کے جواز میں کہ باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح (اسکے پوچھے بغیر) کرسکتا ہے اسلئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ ہے'' اسی باب میں امام بخاریؒ نے بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث نقل کی ہے دیکھئے فتح الباری شرح صحیح بخاری ص٩٦ ج٩، اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح کا مسئلہ قرآن کی مذکورہ آیت سے ماخوذ ہے اور نبی کریمﷺ نے اس آیت کی عملی تفسیر بی بی عائشہؓ سے اس عمر میں نکاح کرکے بتائی چونکہ نبی کا عمل شریعت ہوتا ہے اس لئے بی بی عائشہؓ کا نکاح دراصل اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے یعنی بلوغت سے قبل بی بی عائشہؓ کا نکاح قرآن کے عین مطابق ہے اسلئے اس کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار ہے اسی سبب امام بخاریؒ نے اس باب میں پہلے قرآن کی آیت ذکر کی پھر بی بی عائشہؓ کے نکاح کی روایت نقل کی جو کہ امام بخاریؒ کی فقاہت کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے اور امام بخاریؒ کی اس فقاہت پر ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ یا اللہ تعالیٰ علم کے اس بحر بیکراں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے درجات کو بلند

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بلند کرے (آمین) اس باب میں امام بخاریؒ نے منکرین حدیث کے اعتراض کیلئے کچھ چھوڑا ہی نہیں یعنی بی بی عائشہؓ کے کم عمری کے نکاح کو اولاً قرآن سے ثابت کیا پھر حدیث ذکر کی، اب اگر منکرین حدیث اس حدیث کا انکار کرتے ہیں تو منکرین حدیث کے اس دعویٰ کے قلعی کھل جاتی ہے کہ وہ قرآن پر عمل کرتے ہیں۔

نابالغ لڑکی سے جماع جائز ہے:

معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ طلاق کی زیر بحث آیت کی رو سے مذکورہ نابالغ لڑکی سے صرف نکاح پڑھنا ہی نہیں بلکہ جماع یعنی ہم بستری کرنا بھی جائز ہے یعنی اس آیت کریمہ میں ان مطلقہ لڑکیوں کی عدت کا تذکرہ ہے جو ابھی نابالغ ہوں اور ان نابالغ لڑکیوں سے انکے خاوند نکاح کے بعد جماع یعنی مباشرت بھی کر چکے ہوں اور پھر کسی سبب انھیں طلاق دے رہے ہوں کیونکہ وہ عورت جس کو نکاح کے بعد بغیر دخول و جماع (جسے عام اصطلاح میں بغیر رخصتی کہا جاتا ہے) کی حالت میں طلاق ہو جائے تو اس عورت یا لڑکی پر کوئی عدت نہیں ہے جس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿ یاایھا الذین امنوا اذا انکحتم المؤمنات ثم طلقتمو ھن من قبل ان تمسو ھن فمالکم علیھین من عدۃ تعتدونھا ☆ سورۃ الاحزاب ۴۹ ﴾

یعنی ''اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر جماع کئے بغیر طلاق دے دو تو ان عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ سورۃ طلاق کی آیت (ولائی لم یحضن) میں ان نابالغ لڑکیوں کی عدت کا تذکرہ ہے جن سے ان کے خاوند جماع کر چکے ہوں لیکن اگر کوئی شخص اس آیت کی یہ تفسیر کرے کہ اس سے وہ لڑکیاں مراد ہیں جن کا نکاح بچپن میں ہو جائے پھر رخصتی سے قبل ان کو طلاق ہو جائے ان کی عدت تین ماہ ہے تو یہ تفسیر سراسر غلط ہوگی جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نابالغ لڑکی کا نکاح جوان مرد اور بوڑھے شخص دونوں سے جائز ہے پھر اگر وہ لڑکی جماع کے قابل ہو تو اس سے جماع بھی جائز ہے اس کا ثبوت قرآن کی مذکورہ بالا سورۃ طلاق والی آیت اور بی بی عائشہ کے نکاح والی حدیث ہے اور اسی پر امت

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامیہ کا اجماع ہے، اس ضمن میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا قول پیش کیا جا چکا ہے اور امام احمدؒ کا قول اب پیش خدمت ہے علامہ ابن بطال شرح صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۷ میں لکھتے ہیں کہ:

﴿ اختلف العلماء فی الوقت الذی تدخل فیه المرأة علی زوجها اذا اختلف الزوج واهل المرأة فی ذالک فقالت طائفة تدخل علی زوجها وهی بنت تسع سنین اتبا عالحدیث عائشة هذا قول احمد بن حنبلؒ وابی عبید وقال ابو حنیفةؒ ناخذ بالتسع غیر انا نقول ان بلفتها ولم تقدر علی الجماع کان لاهلها منعها وان لم تبلغ التسع وقویت علی الرجال لم یکن لهم منعها من زوجها وکان مالکؒ یقول لانفقة للصغیرة حتی تدرک و تطیق الرجال وقال الشافعی اذا قاربت البلوغ وکانت جیسمة تحتمل الجماع فلزوجها ان یدخل بها وانکانت لاتحمل الجماع فلا هلها منعها من الزوج حتی تحتمل الجماع ﴾

یعنی ''علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عورت کے نکاح کے بعد کب اور کس وقت رخصتی عمل میں لائی جائے جب خاوند اور عورت کے ورثاء کے مابین اختلاف ہو جائے، اس میں امام احمدؒ اور امام ابوعبیدؒ کا قول یہ ہے کہ جب کسی لڑکی کا نکاح بچپن میں ہو جائے پھر اس کی عمر نو سال ہو جائے تو اسکو خاوند کے حوالے کر دیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہی سنت ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ہے کہ ہم نو سال کی مدت کو قبول کرتے ہیں لیکن اگر وہ اس مدت میں جماع کے قابل نہ ہو تو اس کی رخصتی نہ کی جائے اور اگر کوئی لڑکی نو سال سے بھی قبل اپنے بدن اور جسامت کے اعتبار سے جماع کے قابل ہو جائے تو لڑکی کے ورثا لڑکی کے خاوند کو اس سے جماع کرنے سے نہیں روک سکتے اور امام مالکؒ نے کہا کہ جب تک لڑکی خاوند کے جماع کے قابل نہ ہو جائے اس وقت تک اس لڑکی کا خرچہ پانی خاوند پر نہیں ہے اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ لڑکی جب بلوغت کے قابل ہو تو اس سے جماع کرنا جائز ہے اور اگر وہ جماع کے قابل نہ ہو تو لڑکی کے اہل خانہ خاوند کو جماع کرنے سے روک سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح اور جماع کے قابل ہونے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی صورت میں جماع کے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی قائل ہیں اور ان ائمہ کے علاوہ تمام علمائے مسلمین کا بھی اس مسئلہ پر اتفاق رہا ہے اور اس ضمن میں سلف صالحین میں سے کسی کی مخالفت ہم نے ابھی تک نہیں پائی لیکن صاحب رسالہ (آ ؤ ناموس رسالت کی حفاظت کریں) اپنے رسالے میں اخلاق اسلامیہ کے دائرے میں بھی نہیں رہے اور کتاب میں علمائے سلف کے حق میں وہ زبان استعمال کی ہے جو کسی دین دار اور ذی فہم شخص کی قطعی شایان شان نہیں ہے۔

نابالغ لڑکی کے نکاح کا عقلی دلائل سے رد کرنے والوں کو جواب:

قریشی صاحب اپنے رسالے میں جس ناموس رسالت کی حفاظت کا دعویٰ فرما رہے ہیں اس کا ایک نمونہ یہاں ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں کہ:

﴿امت مسلمہ سے سوال: ہے کوئی دل والا مسلمان جو اپنی نو سالہ بچی کی شادی ایک پچاس سالہ شخص سے کردے، ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تمام لوگ ایسے سوال کرنے والے کو پاگل جنونی کی بکواس کہیں گے ☆ آ ؤ ناموس رسالت کی حفاظت کریں ص ۷﴾

ہمارا جواب یہ ہے کہ بقول آپ کے بی بی عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر نو سال نہیں بلکہ ٹھارہ یا انیس سال تھی اگر بالفرض ایسا ہی ہو جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں تو کیا آج کے مسلمان معاشرے میں اگر کوئی پچاس سالہ شخص کسی اٹھارہ سال کی دوشیزہ کا رشتہ مانگے تو کیا اسے لوگ پاگل اور جنونی نہیں کہیں گے؟ یقیناً کہیں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ لڑکی والے اس شخص کی اچھی خاصی دھلائی بھی کردیں ایسی صورت میں آج کے مسلمان معاشرے کو نبی کریم ﷺ کے دور سے تطبیق دینا قریشی صاحب کے فاتر عقل ہونے کی واضح علامت ہے یعنی آج کے مسلمان یا آج کے دور کی مثال کسی بھی اسلامی اصول کے صحیح یا غلط ہونے کیلئے کوئی معیار نہیں ہے بلکہ دلیل اور معیار قرآن وسنت اور اجماع امت ہے، صاحب رسالہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

﴿اگر محمد ﷺ سے بی بی عائشہؓ کا نکاح اس عمر میں ہوا تھا تو پھر علماء وفقہاء اس سنت سے اعراض کیوں کرتے رہے ہیں﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم کہتے ہیں کہ جناب والا چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں آپ یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کیا یہ بھی آپ نے کہیں قرآن وحدیث یا اسلامی تاریخ میں پڑھ لیا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا اور اگر کبھی نہ بھی ہوا ہو تو اس سے سنت رسول ﷺ تو غلط نہیں ہو جائے گی معلوم ہونا چاہیے کہ کسی سنت رسول ﷺ کے لئے یہ ہرگز شرط نہیں کہ مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہو تو سنت ہو ورنہ نہ ہو مذید برآں صحیح بخاری شریف کی تالیف کو تقریباً بارہ سو سال بیت گئے ہیں اس دوران اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں یعنی ایک طویل عرصہ سے ہر مکتب فکر کے علماء وفقہاء کے سامنے یہ کتاب رہی ہے کیا قرشی صاحب بتا سکتے ہیں کہ صحیح بخاری کی شرح کرنے والوں میں سے کسی نے کبھی یہ لکھا ہے کہ بی بی عائشہ کی نکاح کی عمر والی حدیث صحیح نہیں ہے یا چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں گذرنے والی بے شمار جانی پہچانی اہل علم شخصیات میں سے کسی نے کبھی یہ کہا ہے کہ بی بی عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت نو (۹) نہیں بلکہ اٹھارہ (۱۸) سال تھی؟ پس معلوم ہوا کہ قرشی صاحب کا یہ استدلال محض اپنی ذہنی اپج اور مغرب زدہ ذہنیت کا ایک منطقی نتیجہ ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم انیٰ شئتم وقدموا لانفسکم ☆ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱ ﴾

یعنی ”عورتیں تمہاری کھتیاں ہیں تم اپنی کھتیوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو“ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ عقلی دلیل پیش کی ہے عورت سے اولاد کی خاطر نکاح کیا جانا چاہیے اور نابالغ لڑکی چونکہ اولاد کے قابل نہیں ہوتی اسلئے اس سے نکاح کرنا اس آیت کی رو سے ممنوع ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کھیتی جو اس آیت میں مذکور ہے اس سے اولاد کا معنی لینا صحیح نہیں بلکہ یہاں کھیتی سے مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں تمہاری حاجات وضروریات جنسیہ کے پورے کرنے کا ذریعہ ہیں اسلئے تمہاری خواہش وضروریات ان سے جس مناسب طریقہ سے بھی پوری ہو سکتی ہو پوری کرو جس طرح دنیاوی کھیتیاں انسانوں اور حیوانوں کی بھوک مٹانے کا ذریعہ ہیں اسی طرح عورتیں تمہاری جنسی بھوک مٹانے کا ذریعہ ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کھیتوں کا پھل کچا بھی کھایا جاتا ہے اور پکا کر بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً میوہ جات کی تمام قسمیں کھیتی کرنے سے وجود میں آتی ہیں اور کچی ہی کھائی جاتی ہیں اسی طرح بعض

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھیتیاں کھانے کے مقصد سے نہیں بلکہ کسی دوسرے مقصد سے بھی کی جاتی ہیں مثلاً کپاس کی کھیتی کھانے کے مقصد کے لئے نہیں بلکہ دھاگہ اور کپڑا بنانے کیلئے استعمال ہوتی ہے یعنی کھیتی ہر وہ چیز ہے جو زمین میں اگائی جائے اسی مناسبت سے تمام عورتیں اولاد کی خاطر نکاح میں نہیں لائی جاتیں اور اگر ایسا ہوتا تو بانجھ عورت سے نکاح ممنوع ہوتا قرآن کریم میں نکاح کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:

﴿ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا ☆ سورۃ الاعراف آیت ۱۸۹﴾

یعنی ''وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اسکی بیوی کو پیدا کیا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے'' اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿یامعشر الشباب من استطاع منکم الباۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء☆متفق علیہ﴾

یعنی ''اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو کوئی نکاح کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے اور جو نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے یہ روزہ اسکی خواہش نفسانی کو توڑ دے گا'' قرآن کی آیت اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت سے صرف اولاد کیلئے نکاح نہیں کیا جاتا بلکہ یہ عورتیں تسکین قلب اور خواہشات نفسانی کے مٹانے کا اہم ذریعہ بھی ہیں۔

مؤلف رسالہ نے دعویٰ کیا ہے کہ نو (۹) سال کی عمر میں کوئی لڑکی بالغ نہیں ہوسکتی اور اسکی دلیل اپنی عقل کے مطابق یہ پیش کی ہے کہ اگر کہیں ایسا ہوتا تو ہمارے اسلاف اس سنت پر ضرور عمل کرتے یعنی نو سال کی عمر کی لڑکی سے شادی کرتے اور اس کا ذکر تاریخ میں ملتا، جواباً عرض ہے کہ اگر چہ نکاح کیلئے اسلام میں کسی لڑکی کا بالغ ہونا شرط نہیں اور کسی کی رخصتی کیلئے بھی ایسی کوئی شرط نہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے پھر بھی مؤلف رسالہ کے مذکورہ دعویٰ کے خلاف ثبوت کے طور پر درج ذیل مستند حوالہ پیش خدمت ہے تا کہ ہمارے قارئین کو مزید بصیرت حاصل ہو اور منکرین حدیث اپنا سا منہ لیکر رہ جائیں اور بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث پر شک کرنے والوں کا شک بھی دور ہو جائے، امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتمؒ آداب الشافعی ومناقب میں لکھتے ہیں کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿قال محمد بن الحکم سمعت الشافعی تقول تحمل المراۃ بالیمن لبنت تسع او عشرہ ☆ آداب الشافعی و مناقبہ ص ۴۹﴾

یعنی ''محمد بن عبدالحکم کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا یمن میں عورت نویں یا دسویں سال میں حمل والی ہوجاتی ہے'' حافظ ذہبی نے اسی قول کو سیر اعلام النبلاء میں بھی نقل کیا ہے وہاں الفاظ یہ ہیں:

﴿رأیت بالیمن بنات تسع یحضن کثیرا☆ ص ۹۱ ج ۱۰﴾

یعنی ''میں نے یمن میں دیکھا کہ نو سال کی عمر والی لڑکیاں حیض والی ہوجاتی ہیں'' یہ شہادت امام ذہبیؒ کی ہے جن کی علمیت اور مقام و مرتبہ کے قرشی صاحب بھی قائل ہیں اس سے آپ کا یہ قول باطل ہوجاتا ہے کہ عرب میں لڑکیاں نو سال میں بالغ نہیں ہوتیں۔

سنت نبوی ﷺ پر غیر مسلموں کا اعتراض دلیل نہیں:

قرشی صاحب اپنی مغرب زدہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿غیر مسلم یہود و نصاریٰ بھی نبی برحق ﷺ پر ایسی روایت کی رو سے سوالات کرتے آئے ہیں جس کا جواب ہمارے علماء حضرات سے نہیں بن پڑتا﴾

اصل بات درحقیقت یہی ہے کہ قرشی صاحب اپنے تئیں اس مسئلہ کی وجہ سے اپنا منہ غیر مسلموں کو دکھانے کے لائق نہیں سمجھتے اس لئے ناموس رسالت کے تحفظ کی آڑ میں احادیث صحیحہ کے انکار کی یہ روش اپنائی ہے یہ حربہ صرف قرشی صاحب ہی نہیں بلکہ تمام موجودہ دور کے منکرین حدیث ناموس رسالت کی دہائی دے کر ہر صحیح حدیث کا انکار کر کے بڑی کامیابی سے استعمال کر رہے ہیں اور عوام الناس کو بے وقوف بنا رہے ہیں حالانکہ یہ غیر مسلم مسلمانوں سے نہ کبھی راضی ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں مثلاً قرشی صاحب کے پاس غیر مسلموں کے اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں دی اور خود بارہ تیرہ شادیاں کر ڈالیں یہ سوال اور اعتراض تو بی بی عائشہؓ کے نکاح سے بھی زیادہ سخت ہے اور قرشی صاحب کا یہ کہنا کہ غیر مسلموں کے اس اعتراض کا جواب ہمارے کسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عالم سے نہیں بن پڑا بالکل غلط ہے کیونکہ اس نکاح کی دلیل امام بخاریؒ نے خود اس باب کے تحت سورۃ طلاق کی آیت نقل کر کے دیدی ہے کیونکہ انھوں نے بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث بعد میں نقل کی ہے اور پہلے قرآن کی آیت نقل کی ہے جب ایسا ہے تو کون ایسا عالم ہے جو قرآن سے بھی جاہل ہو اور غیر مسلموں کے اس سوال کا جواب نہ دے سکے نیز معلوم ہونا چاہیے کہ غیر مسلموں کے اسلام پر اعتراضات کو درخور اعتنا وہی لوگ سمجھتے ہیں جو کمزور ایمان کے حامل ہوں جبکہ وہ لوگ جو مضبوط ایمان رکھتے ہوں ان کے ایمان غیر مسلموں کے اعتراضات سے متزلزل نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ غیر مسلموں کے سنت نبوی ﷺ پر کسی عقلی اعتراض کو دلیل سمجھتے ہیں یا اہمیت دیتے ہیں۔

سورۃ طلاق کی مذکورہ آیت کی معنوی تحریف:

قریشی صاحب نے کہا ہے کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ دشمنان اسلام کی سازشوں اور سبائی روایات کو جو قرآن سے ٹکراتی ہیں کیوں نہیں سمجھتے گویا مؤلف کتاب نے صحیح بخاری میں وارد بی بی عائشہؓ کے نکاح والی روایت کو دشمنان اسلام کی اور سبائی یعنی شیعہ فرقے کی سازش کہا ہے اسکے جواب میں ہم اسکے سوا اور کیا کہیں کہ:

﴿ مالهم به من علم ولا لأبائهم كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا ☆ سورة كهف ۵ ﴾

یعنی ''ان کو اور انکے آباواجداد کو اس بات کا کوئی علم نہیں بہت بڑا کلمہ ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے بولتے نہیں یہ لوگ مگر جھوٹ'' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کو سبائی سازش کہتے ہیں درحقیقت صحیح بخاری کی یہ حدیث سبائی سازش نہیں بلکہ وہ نظریہ سبائی سازش ہے جس کا شکار یہ لوگ ہو رہے ہیں کیونکہ صحیح بخاری کی اس حدیث کا انکار اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ سورہ طلاق کی مذکورہ آیت کو نہ بدل دیا جائے جیسا کہ اس آیت کی معنوی تحریف تو عمل میں آ ہی چکی ہے اب صرف اسکی لفظی تحریف باقی ہے معنوی تحریف کی ابتداء سبائی فرقے کی جانب سے شروع ہو چکی ہے ملاحظہ فرمائیے ایک

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت بڑی مشہور شیعی تفسیر ''المیزان فی تفسیر القرآن'' میں سورۃ طلاق کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

﴿ وقوله :واللائی لم یحضن والمعنی:واللائی لم یحضن و هو فی سن من تحیض فعدتهن ثلاثة اشهر ☆ ص ٦ ا ٣ ج ٩ ﴾

یعنی'' قرآن کی اس آیت کی یہ تفسیر ہے کہ جولڑکیاں سن بلوغت کو پہنچ چکی ہوں اوران کو ابھی تک حیض نہ آیا ہوان کی عدت تین ماہ ہے اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ جب کسی لڑکی کو حیض ہی نہیں آیا تو وہ بالغ کس چیز سے سمجھی جائیگی اسلئے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہنا کہ لڑکی بالغ ہوگئی ہواوراس کو حیض نہ آیا ہو یہ اسکی عدت ہے ایک لغو بات ہے اسکے بجائے اگر یہ کہا جاتا کہ لڑکی جماع کے قابل ہواوراسکو ابھی تک حیض نہ آیا ہوتو درست ہوسکتا تھا بہرکیف یہ ہے سبائی فرقہ کی تفسیر جبکہ اہل سنت نے جواس آیت کی تفسیر کی ہے وہ ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں اب جولوگ صحیح بخاری کی حدیث کوسبائی روایت قرار دے رہے ہیں ان سے ہمارا سوال ہے کہ وہ ان میں سے کس تفسیر کواختیار کریں گے ظاہر ہے کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح کے ضمن میں جو موقف وہ رکھتے ہیں اسکے مطابق شیعہ کی تفسیر ہی انکے لئے قابل قبول ہوسکتی ہے اوراسی تفسیر کی بنیاد پر وہ صحیح بخاری کی روایت کو غلط قرار دے سکتے ہیں بصورت دیگر تا قیامت اس حدیث کو غلط کہنا ان کے لئے ممکن نہیں ہے پس معلوم ہوگیا کہ دشمنان اسلام اورسبائی سازش کا شکار وہ لوگ نہیں جو صحیح بخاری کی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں بلکہ سبائی سازش کا شکار اصل میں وہ لوگ ہیں جو بی بی عائشہؓ کے نکاح سے متعلق صحیح بخاری کی اس روایت کا انکار کرتے ہیں، قابل افسوس مقام ہے کہ مغرب کے اسلام کے خلاف پروپگنڈے کے باعث آج اس آیت کی سبائی تفسیر اہل سنت کے مابین مقبول ہوگئی ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ کے دور سے لیکر آج تک ائمہ سلف وخلف کا نابالغ لڑکی کے نکاح پراس کے جماع کے قابل ہونے کی صورت میں جماع پر بھی اجماع رہا ہے دراصل جب سے عجمی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ ہونا شروع ہوئے ہیں اس وقت سے ہر ایک فرقہ نے اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کے مطابق قرآنی آیات کا ترجمہ اور تفسیر کرنا شروع کردی ہے اس سلسلہ میں احمد رضا خان بریلوی کا ترجمہ ایک واضح مثال ہے حال ہی میں سعودی عرب سے سلفی علماء میں سے بعض اہل علم کے حاشیہ سے قرآن کا اردو ترجمہ مختصر تفسیر کے ساتھ شائع ہوا ہے اسکو حکومت سعودیہ نے مفت تقسیم کیا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ترجمہ پر میری نظر پڑی تو اس کی شرح میں یہ لکھا ہوا پایا کہ:

﴿یہ انکی عدت ہے جس کا حیض عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے بند ہو گیا ہے یا جنہیں حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا ہے،نوٹ : واضح رہے کہ نادر طور پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے اور اسے حیض نہیں آتا ☆ حاشیہ اص ۱۵۹۳﴾

یہاں فاضل مفسر نے جو''نوٹ''لگایا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن ایسا بہت ہی شاذ ہوتا ہے کہ کوئی لڑکی سن بلوغت کو پہنچ جائے اور اسے حیض نہ آئے اس لئے معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت کریمہ سے اصل مراد وہ لڑکی ہے جسے سن بلوغت سے قبل نکاح اور رخصتی کے بعد طلاق ہوگئی ہو جس طرح کہ ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے اس لئے اس تفسیر سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ مذکورہ آیت میں صرف ان لڑکیوں کی عدت کا ذکر ہے جن کا فاضل مفسر نے ضمنی طور پر تذکرہ کیا ہے بلکہ یہاں اصل تذکرہ ان لڑکیوں کی عدت کا ہے جن کو صغر سنی کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو۔

ہشام بن عروہ پر مؤلف کی تنقید کا جواب:

مؤلف کتاب''آؤ ناموس رسالت کی حفاظت کریں''نے صحیح بخاری کی زیر بحث مذکورہ روایت کے راوی ہشام بن عروہ اور محدث کبیر پر کڑی تنقید کی ہے اور اس ضمن میں قریشی صاحب نے جو انداز بیان اختیار کیا ہے وہ کسی بھی ذی علم شخص کے شایان شان نہیں ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

﴿ھشام بن عروہ کی زندگی کے دو دور ہیں ایک عراق جانے سے قبل اور دوسرا عراق جانے کے بعد کا ہے،ان کی عراق جانے سے قبل کی مروی احادیث مقبول ہیں اور عراق جانے کے بعد کی روایات فتنہ سبائیت کی سازش کا نتیجہ ہیں﴾

اس کے علاوہ مؤلف نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ:

﴿بی بی عائشہؓ کی روایت کے سب راوی عراقی اور کوفی ہیں اور کوئی دوسرا نہیں اور امام مالکؒ نے ہشام بن عروہ پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ان کی عراقی احادیث مردود ہیں اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل مدینہ میں سے کوئی بھی راوی اس حدیث کو روایت نہیں کرتا اور ہشام پر تنقید والی بات حافظ ذہبیؒ نے بھی لکھی ہے ہم نے اپنی طرف سے نہیں کی وغیرہ ﴾

درحقیقت محدثین کرام نے ہشام بن عروہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ ٹھیک نہیں رہا تھا لیکن حافظہ کی یہ خرابی اس درجہ نہیں تھی کہ وہ کسی روایت کے راویوں کو الٹ پلٹ دے یا کسی حدیث کو غلط بیان کر دے یعنی ہشام اپنے حافظہ کی خرابی میں انتہا کو نہیں پہنچے تھے اس ضمن میں حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ:

﴿ هشام بن عروه احد الاعلام حجة امام لكن فى الكبرتنا قص حفظه ولم يختلط ابدا ولا عبرة بما قاله ابوالحسن بن قطان من انه وسهل بن ابى صالح اختلطا وتغيرا نعم الرجل تغير قليلا ولم يبق حفظه كهو فى حال الشبيبة فنسى بعض محفوظه او وهم فكان ماذا اهو معصوم عن نسيان ﴾

یعنی ''ہشام بن عروہ چوٹی کے علماء و محدثین میں سے تھے اور احادیث نبویہ میں وہ حجت و امام تھے، بڑھاپے میں ان کا حافظہ پہلے سے کم ہو گیا تھا لیکن وہ مختلط نہیں ہوا کہ حدیثوں کو خلط ملط کر دیتا ہو، انکے بارے میں امام ابن القطانؒ نے کہا کہ وہ مختلط ہو گئے تھے تو ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے ہاں ان کے حافظے میں تبدیلی ضرور ہوئی تھی اور ان کا حافظہ جوانی والا نہیں رہا تھا اس لئے بعض احادیث ان کو بھول گئیں تھیں اور بعض میں ان سے وہم بھی ہوا اس سے کیا ہو گیا کیا وہ غلطی سے معصوم تھے'' جب وہ عراق گئے تو وہاں بعض احادیث جا کر بیان کیں ان میں سے بعض کو وہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکے اس قسم کا حال تو بڑے ائمہ کو بھی پیش آ جاتا ہے جیسا کہ امام مالکؒ، امام شعبہؒ، امام وکیعؒ اور بعض دوسرے ائمہ جو اسکے باوجود ثقہ تسلیم کئے جاتے ہیں اس لئے حافظ ذہبی نے ہشام بن عروہ پر تنقید کرنے والے کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿ فدع عنک الخبط و ذر خلط الائمه الاثبات بالضعفاء والمخلطين فهشام شيخ الاسلام و كذا قول عبدالرحمٰن بن خراش كان مالک لا

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یرضاہ نقم علیم حدیثہ لاھل العراق☆میزان الاعتدال ص ۳۰۱ ج۴ ﴾

یعنی ''اپنی مخبوط الحواسی چھوڑ ائمہ اثبات وثقات کوضعیف ومختلط روایوں کے ساتھ ملانا چھوڑ دے کیونکہ ہشام شیخ الاسلام ہے اوراسی طرح ہشام کے متعلق عبدالرحمٰن بن خراش کی جرح کا بھی کوئی اعتبار نہیں جس میں اس نے کہا کہ امام مالکؒ نے ہشام کی عراقی حدیثوں کو غیر مقبول کہا ہے'' یہ ہے اسماء الرجال کے امام حافظ ذہبیؒ کا کلام ہشام بن عروہ کے بارے میں اس میں حافظ ذہبیؒ نے ہشام بن عروہ کو حجۃ الامام اور شیخ الاسلام کہا ہے اور ہشام بن عروہ کے متعلق ابن قطان اور ابن خراش نے تنقید کرتے ہوئے جو کچھ کہا اسے بھی رد کر دیا ہے اور اسکو غیر مقبول جرح کہا ہے اور ہشام بن عروہ پر تنقید کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی ہے لیکن قرشی صاحب نے صرف حافظ ذہبیؒ کے کلام کو غلط انداز ہی میں پیش نہیں کیا بلکہ صحیح بخاری کے روایوں کی ثقاہت پر بھی حملہ کیا ہے قرشی صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ صحیح بخاری کے راوی اگر بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں تو وہ دوسرے محدثین کے نزدیک ثقہ نہیں ﴾

ہمارے خیال میں یہ وہی مخبوط الحواسی ہے جس کے چھوڑنے کا مشورہ حافظ ذہبی نے دیا ہے۔یقیناً یہ کلام کسی اہل علم کا نہیں ہوسکتا کیونکہ بخاری ومسلم کی صحت اوران کے درجہ کا قرآن کے بعد ہونا صرف ان کی اپنی رائے میں نہیں بلکہ یہ درجہ ان کوانکی وفات کے بعد ائمہ اسلام اورفقہاء کرام نے دیا ہے اوران کتب کو یہ درجہ ان کے رواۃ کے ثقاہت کے باعث ہی ملا ہے یعنی بخاری ومسلم کی احادیث کے راوی قوت حفظ واتقان و ثقاہت ومضبوطی عقل میں باقی تمام کتب احادیث کے رواۃ سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اس لئے قرشی صاحب کی بخاری کے راویوں پر تنقید محض ہوا میں تیر چلانے سے زیادہ کچھ نہیں ہے اوراپنی کم علمی کی وجہ سے ہشام پر جو جرح حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے نقل اسکی حیثیت کیا ہے وہ بھی سامنے آگئی ہے اسی طرح مؤلف رسالہ نے ہشام بن عروہ پر برستے ہوئے مذید لکھا ہے کہ:

﴿امام ابن حجر نے اپنی کتاب تہذیب میں یعقوب بن ابی شیبہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ہشام کی عراقی روایات کو اہل مدینہ نے برا تصور کیا ہے، مدینہ میں رہتے ہوئے ہشام صرف

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہی روایات بیان کرتے جو انھوں نے اپنے والد سے سنی تھیں لیکن عراق جانے کے بعد اپنے والد سے منسوب کر کے وہ روایات بھی مرسلاً بیان کرنا شروع کر دیں جو انھوں نے دوسروں سے سنی تھیں لہذا ہشام کی وہ روایات جو اہل عراق ان سے بیان کرتے ہیں ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے ﴾

یہاں مؤلف رسالہ نے تہذیب کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے اسکے آخری الفاظ ''لہذا ہشام کی وہ روایات جو اہل عراق ان سے بیان کرتے ہیں ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے'' ابن حجر کے کلام تہذیب سے نہیں بلکہ مؤلف کا اپنا کلام ہے جبکہ ابن حجرؒ نے جو بات فرمائی ہے وہ بہت ہی عمدہ ہے کہ ہشام کی وہ روایات نا قابل اعتبار ہیں جو ہشام سے اہل کوفہ روایت کرتے ہیں یعنی ہشام سے روایت کرنے والا اگر کوئی کوفی ہے تو ہشام نہیں بلکہ وہ کوفی روای نا قابل قبول ہوگا لہذا مؤلف کی یہ حاشیہ آرائی کہ ''ہشام کی وہ روایات جو اہل عراق ان سے بیان کرتے ہیں ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے'' لغو اور باطل ہے اور یہ حافظ ابن حجرؒ پر تہمت ہے کیونکہ انھوں نے ہشام کے بارے میں ہرگز ایسا نہیں لکھا جیسا صاحب رسالہ باور کرانا چاہتے ہیں بلکہ یہ جھوٹ اور تہمت مؤلف کی گردن پر ہے اسکے علاوہ مؤلف نے یہ بھی کہا ہے کہ ''ہشام کی عراقی روایات کو اہل مدینہ نے برا تصور کیا ہے'' اسکی اصل حقیقت کیا ہے یہ بھی ہم قارئین کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں چنانچہ تہذیب میں یحیٰ بن سعیدؒ کا قول مذکور ہے کہ:

﴿ میں نے امام مالکؒ کو خواب میں دیکھا اور ہشام کی روایات کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب وہ ہمارے پاس مدینہ میں تھا تو اسکی روایات وہی ہیں یعنی درست ہیں اور جب وہ عراق گیا تو اسکی روایات درست نہیں ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کا یہ قول انکی زندگی کا نہیں بلکہ وفات کے بعد کا ہے جس میں یحییٰ بن سعید کو یہ بات امام مالکؒ نے خواب میں آ کر کہی اور خواب خواہ کسی کا بھی ہو ایسے معاملات میں حجت یا دلیل نہیں بن سکتا مزید برآں مؤلف نے یعقوب بن ابی شیبہؒ کے حوالے سے جو ہشام بن عروہ پر جرح نقل کی ہے اس کا پوسٹ مارٹم بھی ہم یہاں ہی کیے دیتے ہیں، ابن حجرؒ نے تہذیب میں یعقوب بن ابی شیبہؒ کا یہ قول نقل

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے کہ:

﴿ قال یعقوب بن ابی شیبة : امام لم ینکر علیه شئی الابعد ماصار الی العراق فانه انبسط فی الروية عن ابيه فانكر ذالک علیه اهل بلده والذی نریٰ ان هشام تسهل لاهل العراق انه کان لا یحدث عن ابيه الاماسمعه منه فکان تسهله انه ارسل عن ابيه مماکان سمعه من غير ابيه عن ابيه ☆ تهذيب ص ۳۴ ج۶ ﴾

یعنی ''یعقوب بن ابی شیبہؒ نے کہا کہ ہشام بن عروہ ثقہ ہے اور حدیث ومحدثین کا امام ہے اس پر اس کی کسی حدیث کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا گیا مگر جب وہ عراق گیا تو وہاں اس نے اپنے والد کی حدیثیں کھل کر بیان کرنا شروع کر دیں تو اسکے شہر والوں نے اس پر انکار یعنی اعتراض کیا کہ اس نے اپنے والد کی سنی اور ان سنی روایات کو ''عن'' سے بیان کرنا شروع کر دیا ہے جبکہ چاہیے یہ تھا کہ اپنے والد کی جو روایات اس نے بالواسطہ سنی ہیں ان کو بالواسطہ ہی بیان کرتا مگر ایسی روایات کو بھی اس نے بلا واسطہ بیان کیا'' اس سے یہ ثابت ہوا کہ مؤلف رسالہ نے جو یہ کہا ہے کہ ''ہشام کی عراقی روایات کو اہل مدینہ نے برا تصور کیا ہے'' یہ الفاظ کسی کتاب میں نہیں ہیں بلکہ وہاں صرف انکار کا لفظ ہے جو اعتراض کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''برا'' کرنا مؤلف کی عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور اسی سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ہشام کی جن روایات پر اسکے شہر والوں نے اعتراض کیا وہ روایات بھی ہشام کے والد ہی کی تھیں مگر ان روایات کو ہشام نے والد سے نہیں سنا تھا بلکہ کسی اور محدث نے ان کے والد سے یہ روایات سنی تھیں اور اس سے ہشام نے سنیں تھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی روایات کے بلا واسطہ بیان کرنے کو ارسال اور تدلیس کہتے ہیں اور تدلیس اور ارسال بڑے بڑے محدثین سے بھی سرزد ہوئی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے امام مالکؒ کو مدلسین میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ مالک بن انسؒ الامام المشهور يلزم من جعل التسوية تدليسا ان يذكره فيهم لانه كان يروى عن ثور بن زيد حديث عكرمة عن ابن عباس

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و کان یحذف عکرمة وقع ذالک فی غیر ما حدیث فی المؤطا یقول عن ثور عن ابن عباس ولا یذکر عکرمة و کذا کان یسقط عاصم بن عبداللہ من اسناد آخر ذکر ذالک الدار قطنی☆تعریف اھل التقدیس ص ۴۳﴾

یعنی ''محدثین میں سے جولوگ تسویہ کو تدلیس کہتے ہیں انکے نزدیک امام مالکؒ مدلسین میں شمار ہوتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنی کتاب مؤطا میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے عکرمہ کا حوالہ درمیان میں حذف کر دیا ہے اور براہ راست عن ثور عن ابن عباسؓ کہہ دیا ہے اسی طرح انھوں نے ایک دوسری سند میں عاصم کا واسطہ درمیان سے حذف کر دیا ہے اور اس بات کا ذکر امام دارقطنیؒ نے بھی کیا ہے لیکن امام ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ یہ تدلیس نہیں بلکہ انقطاع ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ تدلیس کی بری قسم ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مدلس راوی کسی ثقہ راوی سے حدیث سنے جبکہ اس ثقہ راوی نے اس حدیث کو کسی ضعیف راوی سے سنا ہو اور ضعیف راوی نے اسے ثقہ راوی سے سنا ہو تو یہ مدلس راوی اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے حدیث کی سند سے ضعیف راوی کا واسطہ حذف کر دے جس سے اسکے ثقہ شیخ نے روایت سنی تھی اس طرح اس حدیث کی پوری سند ثقہ راویوں سے موصوف ہو جائے گی اور اسمیں کوئی ضعیف راوی نہیں رہے گا اس قسم کی تدلیس کی نسبت امام دارقطنیؒ نے امام مالکؒ کی طرف کی ہے حالانکہ یہ تدلیس کی بہت بری قسم ہے اور جس حدیث کا یہاں حافظ ابن حجرؒ نے حوالہ دیا ہے وہ حدیث تمہید ابن البرص ۲۶ ج ۲ اور مؤطا ص ۲۸۷ ج ا تحقیق فواد عبدالباقی میں موجود ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہشام نے عراق میں اپنے والد سے جو احادیث نہیں سنی تھیں اور بلا واسطہ روایت کیں تو یہ کوئی ایسا جرم نہیں جس کی بنا پر انکی احادیث رد کر دی جائیں مذید برآں یہ بھی طے ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہشام کی اس قسم کی کوئی حدیث نہیں جس کو ہشام نے اپنے والد سے نہ سنا ہو اور براہ راست والد سے ہی روایت کر دی ہو معلوم ہونا چاہیے کہ صحیح بخاری کے تمام مسند احادیث متصل ہیں اور اس پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے اور اسی سبب صحیح بخاری کا پوری نام ''الجامع المسند الصحیح البخاری'' ہے یعنی بخاری کی مسند احادیث میں کوئی انقطاع نہیں ہے پس مؤلف رسالہ کی مذکورہ عبارت میں یہ الفاظ کہ ''ہشام نے عراق

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانے کے بعد اپنے والد سے منسوب کر کے وہ روایات بھی مرسلاً بیان کرنا شروع کر دیں تھیں جو انھوں نے اپنے والد سے نہیں بلکہ دوسروں سے سنی تھیں'' محض جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہیں کیونکہ مؤلف رسالہ کی عبارت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ہشام نے عراق میں ایسی احادیث اپنے والد سے روایت کیں جو کسی اور کی تھیں مگر انھوں نے ان روایات کو اپنے والد کی طرف منسوب کر دیا، یہ بات نہ حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب میں ہے نہ اسماء الرجال کی کسی اور کتاب میں ہے مؤلف رسالہ نے زیر عنوان ''ہشام کے ذہن پر نو سال'' یہ لکھا ہے کہ:

﴿ ہشام کے ذہن پر یہ نو (۹) سال کچھ اس طرح بھوت بن کر سوار ہو گئے تھے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو بھی شادی کے وقت نو سال بنا ڈالا جبکہ امام ذہبیؒ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت المنذر اپنے خاوند ہشام سے تقریباً تیرہ (۱۳) سال بڑی تھیں اور جب فاطمہ کی رخصتی عمل میں آئی تو ان کی عمر انتیس (۲۹) سال تھی یعنی ہشام نے صرف اتنی کرامت کی کہ انتیس میں سے دہائی گرا کر نو (۹) رہنے دیا ﴾

یہاں مؤلف رسالہ نے ہشام بن عروہ کے خلاف جنہیں ائمہ سلف نے شیخ الاسلام اور امام الحجۃ کہا ہے جو بازاری زبان استعمال کی ہے وہ اہل علم حضرات کو ہرگز زیب نہیں دیتی اور جس واقعہ کی طرف مؤلف رسالہ نے اشارہ کیا ہے اور اس واقعہ کو حافظ ذہبیؒ کی طرف منسوب کیا ہے اسکی اصلیت کو ہم قارئین کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں، میزان الاعتدال میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

﴿ ابوقلابه الرقاشی حدثنی ابوداؤد سلیمان بن داؤد قال قال یحیٰ القطان اشهد ان محمد بن اسحاق کذاب قلت مایدریک قال قال لی وهیب فقلت لوهیب ومایدریک قال قال لی مالک بن انس فقلت لمالک ومایدرک قال قال لی هشام بن عروة قال قلت لهشام وما یدرک قال حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر و ادخلت علی وهی بنت تسع وما آها رجل حتی لقیت الله تعالیٰ قلت قد اجبنا عن هذا والرجل فما قال انه رآها افبمثل هذا یعتمد علی تکذیب رجل من اهل

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العلم هذا مردود ثم ماقيل من انها ادخلت عليه وهى بنت تسع غلط بين ما ادرى ممن وقع من رواة الحكاية فانها اكبر من هشام بثلاث عشرة سنة ولعلها مازفت اليه الاوقد قاربت بضعا وعشرين سنة واخذ عنها ابن اسحاق و هى بنت بضع و خمسين سنة او اكثر ☆ الميزان الاعتدال ص ۴۷۱ ج ۳ ﴾

یعنی ''ابوقلابہ رقاشی، امام ابوداؤد طیالسی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے امام یحیٰ القطان کا قول نقل کیا ہے کہ محمد بن اسحاق راوی کذاب ہے اس نے پوچھا آپ کو کس نے کہا کہ وہ کذاب ہے انھوں نے کہا مجھے وہیب نے کہا ہے اس نے وہیب سے کہا تم کو کس نے کہا ہے اس نے کہا مجھے امام مالکؒ نے بتایا اور امام مالک کو ہشام بن عروہ نے یہ بات بتائی اسنے ہشام سے پوچھا تم کو یہ بات کس نے بتائی ہے ہشام نے کہا کہ محمد بن اسحاق میری بیوی سے حدیث روایت کرتا ہے حالانکہ اس نے کسی غیر مرد کو نہیں دیکھا اور وہ نو (۹) سال کی تھی جب میرے گھر آئی تھی، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ہم نے ہشام کی بات کا جواب دیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے یہ نہیں کہا کہ میں نے ہشام کی بیوی کو دیکھا ہے کیا فقط اس بات سے ایک ثقہ محدث جھوٹا ہو جائیگا نہیں انکی یہ بات مردود ہے، پھر یہ جو اس نے روایت میں کہا ہے کہ ہشام کی بیوی جب اس کے گھر آئی تو اسکی عمر نو (۹) سال تھی واضح طور پر غلط ہے میں نہیں جانتا کہ یہ غلطی اس روایت کے کس روای نے کی ہے کیونکہ ہشام کی بیوی اس سے تیرہ سال بڑی تھی اور شاید جب اس کی بیوی بنی اس وقت اسکی عمر بیس سال سے اوپر تھی اور جب محمد بن اسحاق نے اس سے روایت سنی اسکی عمر اس وقت پچاس (۵۰) سال سے اوپر تھی یا اس سے بھی زیادہ تھی'' یہ ہے حافظ ذہبیؒ کا بیان جس کا ذکر مؤلف رسالہ نے کیا ہے اس میں کہاں ہے کہ ''ہشام پر نو سال بھوت بن کر سوار ہو گئے تھے'' آدمی کو اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے بات کرنی چاہیے اور صاف ظاہر ہے کہ اس حکایت میں حافظ ذہبیؒ نے ہشام کی بیوی کی عمر نو سال کے الفاظ کو ہشام کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اس روایت کے کس روای سے یہ غلطی ہوئی ہے اور ہشام کی طرف اس قول کو منسوب نہ کرنے کی وجہ ہشام کا اپنا ایک دوسرا قول بھی ہے جس میں ہشام

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے خود کہا ہے کہ اسکی بیوی عمر میں اس سے تیرہ سال بڑی تھی پس لازمی طور پر ''نو سال'' کا لفظ اس روایت میں کسی دوسرے روای کی غلطی کا نتیجہ ہے جس کا تعین حافظ ذہبیؒ جیسا وسیع علم رکھنے والا بھی نہیں کر سکا، ہشام کا قول اسکی بیوی کی عمر کے بارے میں تہذیب الکمال صفحہ ۵۶۴ جلد ۸ میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

﴿ قال هشام بن عروه كانت اكبر منى بثلاث عشرة سنة ﴾

یعنی ''ہشام نے کہا کہ اسکی بیوی اس سے تیرہ سال بڑی تھی'' اس وضاحت کے بعد بھی یہ کہنا کہ ہشام پر نو سال بھوت بن کر سوار تھے جہالت اور کم علمی کے سوا کچھ نہیں اور درحقیقت یہ علماء سلف اور محدثین کے خلاف دل میں بھری ہوئی عداوت اور کینہ کا اظہار ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہشام بن عروہ ایک ثقہ اور معتبر روای ہے اور یہ بات بھی محدثین کی تصریحات میں گذر چکی ہے کہ ہشام پر وہ وقت کبھی آیا ہی نہیں کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہو اور اسکو اگلی پچھلی کوئی بات یاد ہی نہ رہی ہو اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ ہشام نے اپنی بیوی کے بارے میں کبھی یہ بات کہی اور کبھی وہ بات کہی ہوگی قطعاً حماقت پر مبنی بے بنیاد اعتراض ہوگا لیکن مؤلف رسالہ نے ہشام کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے یہاں تک لکھا ہے کہ ''آخری عمر میں ہشام سٹھیا گئے تھے'' حالانکہ ہشام بن عروہ کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کے یہ الفاظ ہم نے کہیں نہیں پائے اور خود مؤلف رسالہ نے بھی اس کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا ہے اس لئے معلوم یہی ہوتا ہے کہ قریشی صاحب نے حافظ ذہبیؒ کی تالیفات سے جو الٹا سیدھا مطلب اخذ کیا ہے اسکا لب لباب اپنے الفاظ میں حافظ ذہبیؒ پر تھوپ دیا ہے اور مؤلف رسالہ نے ہشام کی روایات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

﴿ ان کی سندات جمع کرنے کے بعد ایک نئے عقیدہ (غالباً انکی مراد عقدہ ہے) کا انکشاف ہوتا ہے کہ کچھ راوی تو اسے حضرت عائشہؓ کا قول قرار دیتے ہیں اور کچھ اسے حضرت عروہ کا قول بتاتے ہیں ﴾

یہاں قریشی صاحب جس چیز کو روایت میں اختلاف کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں اسکی کوئی علمی حیثیت نہیں کیونکہ اصول حدیث کے علم میں یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں جس کی بنیاد پر کسی حدیث کو ضعیف قرار

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا جاسکتا ہو خاص طور سے اس وقت جب دونوں میں سے ایک حدیث بخاری یا مسلم میں آجائے اصول حدیث کے مطابق ایسی صورت میں بخاری و مسلم پر عمل ہوگا اور مؤلف رسالہ نے حافظ سخاوی کے حوالے سے کچھ قاعدے لکھے ہیں ان میں سے انکی غرض اس قاعدہ سے ہے کہ ''جس روایت میں اس قسم کے مضامین ہوں جو نبی کریم ﷺ کی شان کے خلاف ہوں انہیں رد کر دیا جائیگا'' اس قاعدہ سے مؤلف رسالہ کی غرض یہ ہے کہ چونکہ بی بی عائشہؓ کی حدیث شان نبوی کے خلاف ہے اس لئے وہ ضعیف و غیر مقبول ہے ہمیں حافظ سخاوی کے قواعد سے اتفاق ہے مگر مؤلف صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں باتفاق علماء ومحدثین و باجماع امت مسلمہ ایسی کوئی حدیث نہیں جو رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف ہو چنانچہ اگر یہ مذکورہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف ہوتی تو بخاری میں کبھی نہ ملتی یعنی اس قسم کی حدیثوں کی جگہ صحاح کی کتابیں نہیں محدثین کی لکھی ہوئی موضوعات کی کتابیں ہیں اور معلوم ہونا چاہیے کہ صحیح بخاری کو یہ بلند درجہ ملا ہی اسلیئے کہ وہ نہ صرف صحت میں مستند ہے بلکہ اصول حدیث کے مطابق بھی اعلیٰ درجہ پر ہے اور جس اصول کا قرشی صاحب تذکرہ کررہے ہیں وہ بہت عام فہم اصول ہے کیا قرشی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ معاذ اللہ امام بخاری اصول حدیث سے بھی ناواقف تھے جو ایک ایسی حدیث کو اپنی صحیح میں نقل کر بیٹھے جو شان نبوی ﷺ کے ہی خلاف ہے مگر جو شخص لکیر کا فقیر ہو تو ایسے مسکین کو کوئی کیا سمجھائے یہ باتین تو اہل علم سے تعلق رکھتی ہیں اور آخر میں ہم چاہتے ہیں کہ ہشام بن عروہ کے بارے میں جو اسماء الرجال کے ماہرین کی رائے ہے وہ بھی اختصار کے ساتھ نقل کردی جائے تا کہ ایک راوی کی حیثیت سے ہشام کا مقام واضح ہوجائے، ہشام بن عروہ کے بارے میں محمد بن سعد نے کہا ''ثقہ ثبت حجۃ'' اور یعقوب بن شیبہ نے کہا ''ثقہ ثبت'' اور ابوحاتم رازی نے فرمایا ''ثقہ امام فی الحدیث'' اور ابن خراش کا قول ہے کہ ''صدوق'' اور العجلی نے کہا ''ثقہ'' اور ابن حبان نے بھی ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہشام کو ''متقن حافظ'' کہا ہے یہ تمام اقوال ثابت کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ قابل اعتماد اور معتبر راوی ہے اور اس کی روایت تمام اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف رسالہ کی بنیادی غلطیاں:

مؤلف ''ناموس رسالت'' نے اپنے اس رسالے میں جو طرز تکلم وطریق تحریر اپنایا ہے وہ مکمل طور پر اس بات کی نشاندھی کرتا ہے کہ ان کو کتب احادیث پر اور محدثین کی جرح وتعدیل کے نظام پر اعتماد نہیں ہے اور وہ اسمیں سبائیت کا عمل دخل دیکھتے ہیں یہ بات ان کے کلام سے آشکارا ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ یہی بات منکرین حدیث کے انکار حدیث کی بھی اصل وجہ ہے جس کے باعث وہ احادیث کے مستندترین ذخیروں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر حدیث کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کرنا چاہتے ہیں جو ناممکن ہے۔

مؤلف رسالہ نے لڑکیوں کی بلوغت کے عنوان کے تحت دعویٰ کیا ہے کہ لڑکیاں نو سال کی عمر میں عرب یا غیر عرب کسی ملک میں بالغ نہیں ہوتیں دراصل یہی پہلی بنیادی غلطی ہے جو اس رسالے کا سبب تالیف ٹھہری ہے اور اسی کی بنیاد پر قرشی صاحب نے احادیث صحیحہ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک آدمی جب کوئی اعتقاد دل میں جما لیتا ہے تو پھر اسکے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں ہوتا اور اسکی مخالفت میں آنے والی ہر دلیل اسکو غلط اور بے بنیاد نظر آتی ہے یہی بات انھوں نے اپنی اس کتاب میں بعنوان ''اعتقادی غلطی'' میں لکھی ہے اور اسی کو ان علماء سلف اور فقہاء امت پر چسپاں کیا ہے جنہوں نے بی بی عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے حالانکہ درحقیقت وہ خود اسکا شکار ہوئے ہیں یعنی قرشی صاحب اور ان کے ہمنواؤں نے دل میں یہ عقیدہ جما لیا ہے کہ کوئی لڑکی نو سال کی عمر میں بالغ نہیں ہوتی تو پھر ہر حال میں بی بی عائشہ والی حدیث غلط ہے اس لئے ہم نے اپنے اس رسالے کے شروع میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ اور قرآن وسنت میں کسی لڑکی کے نکاح اور جماع کے لئے اصطلاحی بلوغت یعنی حیض کا جاری ہونا شرط نہیں ہے اور اس بات پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے اور جب یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کسی اہل علم کے نزدیک نکاح اور جماع کیلئے لڑکی کی بلوغت شرط نہیں تو مؤلف کی اس مسئلہ پر قائم بنیاد بھی از خود گر جاتی ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف رسالہ نے زیرِ عنوان ''احادیث بخاری سے عمر کا تعین'' کے تحت لکھا ہے کہ:

﴿ آیئے ہم بخاری سے ایسی صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو ہشام کے کوفی روایوں کے برعکس ثقہ راویوں سے منقول ہے جس کا تسلسل یوں ہے کہ لیث بن سعد نے عقیل سے انھوں نے ابن شہاب سے انھوں نے عروہ بن زبیر سے اور انھوں نے صدیقہ کائنات سے یعنی اس حدیث میں سرے سے ہشام کا نام ہی نہیں ہے، یہ طویل حدیث ہے جسمیں صدیقہؓ اپنے بچپن سے لیکر ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ تک کے حالات بتارہی ہیں جس سے ان کے عمر کے درجات کی صاف طور پر تصدیق ہوجاتی ہے، ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مجھکو عقل آئی تو میں نے اپنے والدین کو اسلام پر پایا اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ صبح شام رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں ام المؤمنین عائشہؓ اس میں اپنی عمر کا ذکر فرما رہی ہیں کہ جس میں ایک بچہ اتنا عقل مند ہوجائے کہ وہ دین واسلام کو سمجھ سکے اور اس کو اس بات کا علم ہو کہ اس کے گھر میں کون آرہا ہے اور یہ واقعہ بعثت رسول ﷺ کے وقت کا تھا﴾

یہاں قرشی صاحب کا بی بی عائشہؓ کے مذکورہ قول ''جب مجھے عقل آئی'' کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت پر محمول کرنا سوائے جہالت کبریٰ کے کچھ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بی بی عائشہؓ کے اس قول کو ائمہ اسلام میں سے کسی نے بھی اول بعثت پر محمول نہیں کیا اور بی بی عائشہؓ کے ابوبکر صدیقؓ کی حبشہ کی طرف ہجرت کے واقعہ کو بیان کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اس واقعہ کے وقت بڑی تھیں، اصول حدیث کا علم رکھنے والے یہ بات جانتے ہیں کہ صغار صحابہ اپنی پیدائش سے پہلے کے بھی واقعات بیان کرتے تھے یعنی وہ دوسرے بڑے صحابہ سے یہ باتین سن کر بیان کرتے تھے اور کسی صحابی کے حوالے کے بغیر براہ راست بیان کیا کرتے تھے اور اصول حدیث کے مطابق اسمیں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ صحابہ کے عدول ہونے پر اجماع ہے اس لئے ایک صحابی دوسرے صحابی سے کوئی حدیث سن کر بغیر اس صحابی کا نام لئے ہوئے بیان کرسکتا ہے اسکی ایک مثال بی بی عائشہؓ کے واقعہ اسراء ومعراج کو بیان کرنے سے دی جاسکتی ہے، حافظ ابن

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کثیر لکھتے ہیں کہ:

﴿ وقد حکی ابن اسحاق فقال حدثنی بعض آل ابی بکر عن عائشۃؓ ام المؤمنین انها کانت تقول مافقد جسد رسول اللہ ﷺ ولکن اللہ اسریٰ بروحه ☆ البدایه و النهایه ص ۱۳۳ ج۳ ﴾

یعنی ''محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر صدیقؓ کی آل میں سے ایک نے بی بی عائشہؓ کی یہ روایت بیان کی کہ معراج میں نبی کریم ﷺ کا جسد مبارک اپنے بستر پر رہا وہ ادھر سے ادھر کہیں نہیں گیا یعنی آپ ﷺ کو معراج جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوئی'' حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ معاویہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ بی بی عائشہؓ کا یہ قول انکے اپنے مشاہدے کا نہیں بلکہ کسی سے سنا ہوا ہے کیونکہ انکی رخصتی نبی کریم ﷺ سے مدینہ میں ہوئی اور معراج کا واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا ظاہر ہے کہ یہ انھوں نے کسی اور سے سنا ہے لیکن بیان کرتے وقت اس کا حوالہ نہیں دیا جس سے سنا ہے واقعہ معراج کے سلسلہ میں یہ رائے بی بی عائشہؓ اور معاویہ بن سفیانؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام کی بھی ہے مگر زیادہ صحیح رائے ان صحابہ کی ہے جنہوں نے معراج کے واقعہ کو روحانی اور جسمانی دونوں کہا ہے اور یہ قول قرآن و حدیث کے زیادہ قریب بھی ہے، روایت صحابہ کے ضمن میں امام ابن صلاح علوم الحدیث میں فرماتے ہیں کہ:

﴿ ثم انا لم نعد فی انواع المرسل و نحوه مایسمیٰ فی اصول الفقه مرسل الصحابی مثل ما یرویه ابن عباس وغیره من احداث الصحابة عن رسول اللہ ﷺ ولم یسمعوه منه لان ذالک فی حکم الموصول المسند لان روایتهم عن الصحابة والجهالة بالصحابة غیر قادحة لأن الصحابة کلهم عدول ☆ ص ۵۹ ج ۱ ﴾

یعنی ''ہم صحابہ کی مرسل احادیث کو جن کو وہ رسول اللہ ﷺ سے نہیں سن پائے بلکہ کسی اور صحابی سے سنی اور ان احادیث کو انھوں نے ان کو بجائے واسطہ کے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے منسوب کر کے روایت کر دیا ہم مرسل کے حکم میں نہیں رکھتے کیونکہ یہ صحابی سے صحابی کی سنی ہوئی روایت ہوتی ہے اور صحابہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب کے سب سچے ہیں لہذا ایک صحابی دوسرے کا نام نہ لے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ بی بی عائشہؓ نے ہجرت حبشہ کی جو روایت بیان کی ہے اسکو خود ابوبکر صدیقؓ یا اپنے خاندان کے کسی بڑے فرد سے سنی ہوئی حدیث پر محمول کیا جائیگا اور اس قسم کی کسی روایت سے بی بی عائشہؓ کی عمر کا تعین نہیں ہوسکتا اور بی بی عائشہؓ کی نو سال کی عمر میں رخصتی کی متفق علیہ روایت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے پس تمام صحابہ کے عدول ہونے کے اصول کو نظر انداز کر دینا مؤلف رسالہ کی دوسری بنیادی غلطی ہے اسکے بعد صاحب رسالہ نے اپنے موقف پر اصرار کرتے ہوئے ''پہلی تصدیق'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

﴿اس بات کی تصدیق اکثر سیرت کی کتابوں سے بھی ملتی ہے جن میں حافظ ابن کثیر اور ابن ہشام اور بعض دوسرے اس بات پر متفق ہیں کہ ام المؤمنین کا شمار ان چالیس مسلمین اولین میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا﴾

اور آگے چل کر لکھا ہے کہ ﴿ان روایات سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ام المؤمنین عائشہؓ اسلام کے آغاز سے ہی مسلمان ہوگئیں تھیں جبکہ اسکے برعکس ہشامی راوی کہتے ہیں کہ وہ بعثت کے چار پانچ سال بعد پیدا ہوئیں﴾

یہاں مؤلف رسالہ نے ان احادیث صحیحہ کو جن پر پوری امت مسلمہ اعتماد کرتی آئی ہے ہشامی روایت کہہ کر رد کر دیا ہے جبکہ سیرت و تاریخ کی وہ کتابیں جن کی کوئی سند ہی نہیں ان کیلئے آسمانی صحیفہ کا درجہ رکھتی ہیں یہ مؤلف رسالہ اور تمام منکرین حدیث کی تیسری بڑی بنیادی غلطی ہے کہ یہ لوگ احادیث کے مجموعوں اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں کوئی امتیاز نہیں کر پاتے حالانکہ احادیث کی کتابوں اور خاص طور سے احادیث صحیحہ کی کتابوں میں واقعات کی صحت کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے جبکہ سیرت و تاریخ کی کوئی بھی کتاب قسم کے اہتمام سے قطعی طور پر محروم ہے لیکن بے چارے منکرین حدیث علم اور تفقہ میں یتیم ہونے کے باعث اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں جسکے نتیجہ میں بعض اوقات بڑی ہی مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ یہاں مؤلف رسالہ کے مندرجہ بالا بیان سے ہوئی ہے ملاحظہ فرمائیے کہ مؤلف رسالہ نے اپنے مؤقف کو تقویت پہنچانے کیلئے یہاں سیرت ابن ہشام کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اختصار ہے اور محمد بن اسحاق کو امام مالکؒ نے کذاب کہا ہے اب ہمارے اس بزرگ کی علمیت کا یہ حال ہے کہ محمد بن اسحاق جیسے ضعیف راوی کی مرسل و منقطع روایت صحیح بخاری کی روایات پر مقدم لا رہے ہیں اب ایسے شخص کی ہدایت کے لئے ہم سوائے دعا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

نوسال والی روایت غیر کوفی راویوں کی زبانی:

مؤلف رسالہ کا دعویٰ ہے کہ بی بی عائشہؓ کے نوسال کی عمر میں نکاح والی روایت صرف ہشام سے ہی مروی ہے اور کسی سے نہیں ہے اور یہ کہ یہ کوفیوں کی شرارت ہے چنانچہ آیئے ہم ذیل میں چند روایات پیش کرتے ہیں جو آپ کے دشمن ہشام کی نہیں ہیں بلکہ دیگر مختلف راویوں کی ہیں اور ان سب روایات میں بی بی عائشہؓ کے نکاح اور رخصتی کے وقت کی عمر وہی مذکور ہے جو ہشام کی روایت میں ہے، یہ پہلی حدیث صحیح مسلم اور مسند احمد دونوں میں صحیح سند کے ساتھ مرفوع اور متصل روایت ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿حدثنا ابو معاوية قال حدثنا الاعمش عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة قالت تزوجها رسول الله ﷺ وهي بنت تسع سنين ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة ☆ مسند احمد، حديث ۲۳۰۲۳ ☆صحيح مسلم كتاب النكاح حديث ۲۵۵۰﴾

یعنی ”معاویہ نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود سے اور اسود نے بی بی عائشہؓ سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں جب میری نبی کریم ﷺ سے شادی ہوئی تو میری عمر نوسال تھی اور جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو میری عمر اٹھارہ سال تھی“ اور ایک دوسری روایت بھی صحیح مسلم کی ہے جس میں ہشام کے والد عروہ سے امام زہری نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو ہشام کی روایت میں تھا اور یہ روایت بھی مرفوع متصل ہے اسکی سند اور متن درج ذیل ہے:

﴿حدثنا عبد بن حميد اخبرنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن الزهري عن عروه عن عائشة ان النبي ﷺ تزوجها وهي بنت سبع سنين وزفت اليه

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهی بنت تسع سنین ولعبها معها ومات عنها وهی بنت ثمان عشرة ☆ صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث ۲۵۴۹ ﴾

یعنی ''عبد بن حمید نے کہا کہ مجھے خبر دی عبدالرزاق نے اور عبدالرزاق کو معمر نے اور معمر نے روایت کیا زہری سے اور زہری نے عروہ سے اور عروہ نے بی بی عائشہؓ سے روایت کیا ہے، فرماتی ہیں جب میرا نکاح نبی کریم ﷺ سے ہوا تو میری عمر سات برس تھی اور رخصتی کے وقت عمر نو سال تھی میری گڑیاں میرے ساتھ ہی آئیں تھیں اور جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو میری عمر اٹھارہ سال تھی'' معلوم ہونا چاہیے کہ مؤلف رسالہ نے بعنوان ''احادیث بخاری سے عمر کا تعین'' لکھا ہے کہ زہری عن عروہ عن عائشہؓ کی سند صحیح ہے اسی طرح ایک تیسری روایت ہے اور یہ روایت بھی کسی کوفی روای کی نہیں بلکہ دو مدنی فقہاء کی روایت ہے، یہ حدیث مسند احمد کی ایک طویل حدیث ہے جسکی سند اسطرح ہے کہ:

﴿ حدثنامحمدبن بشر قال حدثنا محمدبن عمرو قال حدثنا ابوسلمة و یحییٰ قال لماهلکت خدیجة ....☆الفتح الربانی ص۲۳۷ ج۲۰ ﴾

یہ ایک طویل حدیث ہے جو بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد بی بی عائشہؓ کے نبی کریم ﷺ سے رشتے کے متعلق ہے اسمیں ابوسلمہ جو مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ہیں اور مدنی فقہاء میں سے ہیں اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن جو مشہور صحابی حاطب بن ابی بلتعہ کے پوتے ہیں یہ حاطب وہی ہیں جنہوں نے قریش مکہ کو خط لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں اور ابوسلمہ اور یحییٰ دونوں مدنی راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب بی بی خدیجہؓ فوت ہو گئیں تو خولہ بنت حکیم نے بی بی عائشہؓ کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ کرایا تو اس وقت بی بی کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کی رخصتی عمل میں آئی تو بی بی عائشہؓ کی عمر نو سال تھی اسکے بعد یہ ایک چوتھی روایت بھی پیش خدمت ہے جو سنن نسائی سے لی گئی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿ تزوجنی النبی ﷺ لتسع سنن و صحبته تسعا ☆رواہ النسائی، جامع المسانید والسنن للحافظ ابن کثیر ص۲۵۰ ج۳۷ ﴾

یہ صحیح بخاری میں موجود ہشام کی روایت کی چوتھی شاہد ہے اس حدیث کی سند اس طرح ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿قتیبة بن سعد عن عبشر بن قاسم عن مطرف عن ابی اسحاق عن ابی عبیدة﴾

یہ روایت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے ابوعبیدہ کی ہے جو ثقہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں، اب جو لوگ بی بی عائشہؓ کی اس روایت کا انکار کرتے ہیں اور اسے سبائی سازش قرار دیتے ہیں ہمارا ان سے سوال ہے کہ کیا یہ سب روای جو ہم نے پیش کیے سبائی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ یہ سب تو دین اسلام کے ستون ہیں اور قرشی صاحب نے جن کوفی رایوں کی احادیث کو پھینک دینے کی بات بعض اسلاف سے نقل کی ہے وہ ان لوگوں کے بارے میں نہیں بلکہ اس سے مراد کوفہ کے وہ جھوٹے اور کذاب روای ہیں جن کی معلومات اور نام آپ کو تمام بڑی اسماء الرجال کی کتب میں مل جائیں گے، اسکے بعد یہ پانچویں شہادت بی بی عائشہؓ کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی بھی ملاحظہ فرمایئے یہ حدیث طبرانی کی ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿عن عائشة قالت تزوجنی رسول اللہ ﷺ و انا بنت ست سنن و بنی بی و انا نبئت تسع سنین ☆ رواہ الطبرانی جامع المسانید للحافظ ابن کثیر ص ۳۵۳ ج ۳۶﴾

اس روایت میں بھی بی بی عائشہؓ کی وہی عمر بتائی گئی ہے جو ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے یہ قاسم بن محمد مدنی فقہاء میں سے ہیں اور ثقہ ہیں اسکے بعد یہ چھٹی شہادت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ کی ملاحظہ فرمایئے یہ مکی روای اور تابعی اور ثقہ ہیں یہ حدیث سنن نسائی کی ہے اور اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿عن عائشةؓ ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین و دخل بها وهی بنت تسع سنین☆رواہ النسائی ،جامع المسانید ص ۳۲۷ ج ۳۴﴾

حسب سابق اس روایت میں بھی بی بی عائشہؓ کی عمر وہی بتائی گئی ہے جو ہشام بن عروہ کی روایت میں ہے، اور اس سلسلہ میں ساتویں شہادت بی بی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی ہے یہ بھی ثقات تابعین میں سے ہیں اور مدنی ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿عمرة بنت عبدالرحمٰن قالت سمعت عائشةؓ تقول تزوجنی رسول

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ ﷺ فی شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة لثلاث سنين وانا ابنت ست سنين و اعرس بی فی شوال علی رأس ثمانية اشهر من المهاجر و كنت يوم دخل بی ا بنة تسع سنين ☆ طبقات ابن سعد ،سنن النبی و ايامه ص١٨٨ ج٢ ﴾

اس روایت میں بھی بی بی عائشہؓ کی وہی عمر بتائی گئی ہے جو ہشام کی روایت میں ہے اور اس روایت سے بی بی عائشہؓ کے سن ولادت کی وضاحت بھی ہو جاتی یہ روایت کوئی ہشامی روایت نہیں ہے جن کے بارے میں جناب نے لکھا ہے کہ صرف ہشام روای بی بی عائشہؓ کا سن ولادت نبوت کا تیسرا چوتھا سال بتاتے ہیں جبکہ دوسرے مورخ اور رواۃ حدیث ان کا سن ولادت نبوت سے قبل بتاتے ہیں لیکن اسکے برخلاف طبقات ابن سعد کی یہ روایت اور اس سے پہلے کی مذکورہ روایات جو ہشام کی روایت سے نہیں ہیں سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ بی بی عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت نو (۹) سال تھی اس پر نہ صرف محدثین کا اتفاق ہے بلکہ مؤرخین اسلام بھی اسی بات پر متفق ہیں اسکے بعد اب ہشام کی روایت کی شاہد یہ آٹھویں روایت بھی ملاحظہ فرمائیے یہ روایت عبدالملک بن عمیر کی ہے جو ثقہ تابعی ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ عن عبدالملک بن عمير عن عائشةؓ انهاقالت اعطيت خلالا مااعطيتها امرأة ملكنی رسول اللہ ﷺ وانا بنت سبع سنين و بنیٰ بی و انا لتسع سنين ☆ طبقات ابن سعد ص١٩٥ ج٢ ﴾

اس روایت میں بھی بی بی عائشہؓ کی عمر وہی ہے جو ہشام کی روایت میں ہے اسکے بعد یہ نویں شہادت بھی ملاحظہ فرمائیے یہ روایت عمرہ کے غلام حبیب کی ہے یہ مدنی راوی ہے امام ابن حبانؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مدنی محدثین روایت کرتے ہیں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وكانت عائشةؓ ولدت السنة الرابعة من النبوة فی اولها وتزوجها رسول اللہ ﷺ فی السنة العاشرة فی شوال وهی يومئذ بنت ست سنين ☆ طبقات ابن سعد .سنن النبی وايامه ص١٩٩، ٢٠٠ ج٢ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ’’بی بی عائشہؓ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال کے اول میں ہوئی اور آپ ﷺ سے وہ نبوت کے دسویں سال جب ان کی عمر چھ سال تھی منسوب ہوئی اور بی بی سودہ کے بعد نبی کریم ﷺ سے ان کا نکاح ہوا‘‘ مؤلف رسالہ نے زیر عنوان ’’پہلی تصدیق‘‘ لکھا ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ اور سیرت ابن ہشام اور بعض دوسرے مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ ام المؤمنین کا ان چالیس مسلمین اولین میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا لیکن ہماری رائے میں احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے مقابلے میں اس قسم کے تاریخی اقوال جن کی کوئی سند نہیں ہے مردود ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا قول خدیجۃ الکبریٰ کے بارے میں یا ازاوج مطہرات میں سے کسی اور کے بارے میں ہو جو کسی سہو کی بنا پر بی بی عائشہؓ کی جانب منسوب ہو گیا ہو کیونکہ ان مورخین کے اپنی کتابوں میں بی بی عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت نو سال لکھی ہوئی موجود ہے مثلاً سیرت ابن ہشام ص ۶۴۴ میں لکھا ہے کہ:

﴿ وتزوج رسول الله ﷺ عائشةؓ بنت ابی بکر الصدیق بمکة وهی بنت سبع سنین و بنیٰ بها باالمدینة وهی بنت تسع سنین اوعشر ﴾

یعنی ’’رسول اللہ ﷺ سے بی بی عائشہؓ کا عقد مکہ میں ہوا اس وقت بی بی عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی اور مدینہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ان کی رخصتی ہوئی اس وقت بی بیؓ کی عمر نو یا دس سال تھی‘‘ یہ ابن اسحاق کا قول ہے جو اس ضمن میں مذکور ہے اور باقی اس کتاب میں کچھ دوسرے بھی اقوال ہیں جو کسی بڑے اہل علم و مورخ کے نہیں اس لئے مردود ہیں اس کے علاوہ اہل تاریخ میں سے امام طبریؒ کی مؤلف رسالہ نے کافی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سچا، ایماندار اور بے کم وکاست حقیقت کو بیان کرنے والا ہے چنانچہ یہاں ہم انہیں امام طبریؒ کی بھی ایک شہادت اس ضمن میں نقل کئے دیتے ہیں ان کی رائے ان الفاظ میں ہے کہ:

﴿ ذکر السبب الذی کان فی خطبة رسول الله ﷺ عائشةؓ و سودةؓ و الروایة التی باولا هما کان عقد علیها رسول الله ﷺ عقدة النکاح ☆ تاریخ الطبری ص ۴۱۱ ج ۲ ﴾

یعنی ’’اس سبب کا ذکر جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بی بی عائشہؓ کا رشتہ مانگا اور اس کا بیان کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بی بی عائشہؓ اور بی بی سودہؓ میں سے کس کا نکاح پہلے ہوا'' اس باب میں امام جریر طبریؒ نے یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کی وہی روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ ہے بی بی خدیجہؓ کی وفات کے بعد خولہ بنت حکیم نے مکہ میں بی بی عائشہؓ سے رسول کریم ﷺ کا عقد کرایا اور اس وقت بی بی کی عمر چھ برس تھی اور جب نکاح ہوا تو بی بی عائشہؓ کی عمر نو (۹) برس تھی یہ تمام شہادتیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ صحیح بخاری میں وارد بی بی عائشہؓ کی نکاح والی وہ حدیث قطعی طور پر صحیح ہے جس کے راوی ہشام بن عروہ ہیں۔

مؤلف رسالہ کی بددیانتیاں:

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں اس مندرجہ بالا روایت کو نقل کر کے اس مسئلہ میں اپنی رائے کو ظاہر کر دیا ہے لیکن مؤلف رسالہ نے طبری کی تاریخ سے یہ حوالہ دیا ہے کہ بی بی عائشہؓ سمیت ابوبکر صدیق کے چار بچے دو بیوں سے دور جاہلیت میں اسلام سے قبل پیدا ہوئے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ طبری کا اپنا قول ہے حالانکہ یہ بات سراسر جھوٹ اور جہالت پر مبنی ہے یہاں ہم تاریخ طبری سے وہ حوالہ نقل کئے دیتے ہیں جس کا حوالہ فاضل مؤلف صاحب دے رہے ہیں تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے اور اس ضمن میں مؤلف کی بددیانتی بھی ظاہر ہوجائے اس عبارت کا عنوان اور سند یہ ہے:

﴿ ذکر اسماء نساء ابی بکر الصدیق رحمة الله علیه☆ حدث علی بن محمد عمن حدثه ومن ذکرت من شیوخه قال تزوج ابوبکر......☆ تاریخ طبری ص ٦١٦ ج٢ ﴾

یعنی ''ابوبکر صدیقؓ کی عورتوں کا تذکرہ : ذکر کیا ہے علی بن محمد نے ان لوگوں سے جنہوں نے اس کو یہ واقعہ بیان کیا اور اسکے شیوخ سے ابوبکرؓ نے'' بقول مؤلف رسالہ یہ امام طبریؒ کا اپنا کلام ہے حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ امام طبریؒ کا کلام نہیں بلکہ علی بن محمد کا کلام ہے اور اس نے اپنے شیوخ اور اساتذہ سے اس واقعہ کو بیان کیا ہے جن کے نام یہاں مذکور نہیں ہیں یعنی روای مجہول اور غیر معروف ہیں اسلئے امام طبریؒ اس جھوٹ سے بری الذمہ ہیں جو اس میں بولا گیا ہے اور مؤلف رسالہ نے زیر عنوان ''شق القمر اور ام المؤمنین''

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ لکھا ہے کہ:

﴿ آیئے ہم بخاری و مسلم کی دو حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں لڑکی تھی اور کھیل کود کرتی تھی اس وقت مکہ میں نبی کریم ﷺ پر سورۃ القمر کی یہ آیت اتری (اسکے اگلے صفحہ پر مؤلف نے لکھا ہے) یہ آیت ''بل الساعۃ'' سورۃ القمر کی آیت ہے جس میں چاند کے پھٹنے کے واقعہ کا ذکر ہے جس سے اسکا زمانہ نزول متعین ہوجاتا ہے کیونکہ محدثین اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ۵ھ نبوی میں منیٰ کے مقام پر حج کے موقعہ پر پیش آیا تھا اور ام المؤمنین اس وقت لڑکی تھیں اور کھیل کود کیا کرتی تھیں ﴾

یہاں فاضل مؤلف نے شق القمر کے واقعہ کے ذریعہ صحیح بخاری کی نو سال والی روایت کو رد کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ بھی ناکام ہوگئی ہے کیونکہ انکی دلیل کی صحت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ نبوت کے پانچویں سال واقع ہونے پر منحصر ہے اور بقول مؤلف رسالہ محدثین اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے مگر اس اتفاق کا فاضل مؤلف کوئی بھی حوالہ نقل کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں جس کے باعث ان کا یہ قول باطل ہے معلوم ہونا چاہیے کہ واقعہ شق القمر کا صحیح زمانہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اسلیئے اس قسم کی دلیل جو خود باطل ہے وہ صحیح بخاری یا مسلم کی کسی حدیث کو کیسے رد کرسکتی ہے پس بلا دلیل شق القمر کے واقعہ کا سال سن پانچ (۵) نبوی مقرر کرنا بھی مؤلف کی ایک بددیانتی ہے۔

مؤلف رسالہ نے زیر عنوان ''صدیقہ کائنات کا عقد'' کے تحت اس حدیث کا تھوڑا سا حصہ نقل کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے بی بی عائشہؓ کے نکاح کا سبب ذکر کیا گیا ہے یعنی بی بی خدیجہؓ کی وفات اور خولہ بنت حکیم کا اس رشتہ میں ایک اہم کردار ادا کرنا یہ حدیث ہم گذشتہ صفحات میں نقل کرچکے ہیں اور اس حدیث میں صاف طور پر موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ سے عقد کے وقت بی بی کی عمر چھ سال تھی اور جب رخصتی ہوئی تو بی بی عائشہ کی عمر نو سال تھی مگر فاضل مؤلف کی جانب سے بددیانتی کی انتہا ملاحظہ فرمایئے کہ انھوں نے اس حدیث میں سے بی بی عائشہؓ کی عمر کا تعین کرنے والے الفاظ ہی حذف کردیئے یہ ہے ناموس رسالت کا تحفظ اور دین کی خدمت جو یہ صاحب کررہے ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤلف صاحب نے بی بی عائشہؓ کو بڑی عمر کا ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے کہ ''ایک بار اسامہ بن زیدؓ کی ناک بہہ رہی تھی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسکو صاف کیا، بی بی عائشہؓ نے فرمایا، یارسول اللہ! اگر آپ مجھے فرماتے میں اسکی ناک صاف کر دیتی ، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تم ان سے محبت کرو'' اس حدیث سے فاضل مؤلف نے یہ دلیل لی ہے کہ ''عام طور پر ایسے کام کے لئے کسی بڑی عمر والے کو چھوٹے کی خدمت کیلئے کہا جاتا ہے لہذا اس دلیل سے اسامہ بن زیدؓ بی بی عائشہؓ سے چھوٹے ہوئے اور اسامہؓ کی عمر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت بیس سال تھی جیسا کہ خطیب نے مشکواۃ کے رواۃ کے ترجمہ میں لکھا ہے'' حالانکہ مشکواۃ کے آخر میں امام ولی الدین الخطیب نے اسامہؓ کے ترجمہ میں جو لکھا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿ قبض النبی ﷺ وھوا بن عشرین سنة وقیل غیر ذالک ☆ المشکواة مع شرح طیبی ص۱۷۸ ج۱۲ ﴾

یعنی ''نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت اسامہؓ کی عمر بیس سال تھی اور اسکے خلاف بھی قول موجود ہے''

یہ ہے مؤلف صاحب کی دیانت وامانت کا حال کہ انھوں نے امام ولی الدین خطیب کا یہ لفظ (وغیر ذالک) سرے سے حذف ہی کر دیا مزید برآں اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ کہاں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ اسامہ بن زیدؓ بی بی عائشہؓ سے کم عمر کے تھے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو کیا یہ عام مشاہدے کی بات نہیں کہ بسا اوقات بعض بچے اپنی ہی عمر کے دوسرے بچوں کے مقابلے نسبتاً زیادہ سنجیدہ ، ہوشیار اور عقلمند ہوتے ہیں اور بی بی عائشہ کا شمار تو ویسے بھی فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے اسلیئے بی بی عائشہؓ سے اس عمر میں سمجھداری کی باتیں کوئی بعید از قیاس یا انہونی بات نہیں ہے اور مؤلف رسالہ کے نزدیک اگر یہی علمی باتیں ہیں تو پھر معذرت کے ساتھ کہنا پڑے گا کہ دنیا میں جہالت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

مؤلف رسالہ کی بدحواسیاں:

مؤلف رسالہ نے چونکہ دل میں یہ بات ٹھان لی ہے کہ وہ ہر حال میں بی بی عائشہؓ کے نکاح والی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کو جس پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے اور اس واقعہ کو بیان کرنے والی احادیث متواتر ہیں، ان کو ہر حال میں ان صاحب نے رد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اس سلسلہ میں زیر عنوان ''ہجرت مدینہ'' میں صفحات کالے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

﴿جس دن نبی کریم ﷺ ہجرت کی غرض سے ابوبکر صدیقؓ کے گھر گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان گھر والوں سے علیحدگی میں آپؓ سے بات کرنی ہے تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا یہ تو آپ ﷺ کے اہل ہیں یارسول اللہ ﷺ (اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف رسالہ فرماتے ہیں) اس وقت بی بی عائشہؓ اگر چھوٹی اور ناسمجھ ہوتیں تو ابوبکرؓ کہتے کہ عائشہؓ تو کمسن اور ناسمجھ بچی ہے اس سے آپ کو کیا فکر ہے لیکن ابوبکر صدیقؓ نے یہ نہیں کہا بلکہ کہا یارسول اللہ ﷺ یہاں ایک تو آپ ﷺ کی بیوی ہے اور دوسری ساس صاحبہ ہیں ان سے بھلا آپ ﷺ کو کیا ڈر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ بی بی عائشہؓ اس وقت بڑی عمر کی تھیں﴾

مؤلف صاحب کی اس علمیت اور عقلمندی پر رونا آتا ہے کہ کیا اس قسم کی منطق سے جو مؤلف نے اختیار کی ہے صحیح بخاری اور مسلم کی کسی حدیث کو یا کسی بھی صحیح حدیث کو رد کیا جا سکتا ہے نیز یہاں مؤلف رسالہ نے ابوبکر صدیقؓ کے الفاظ ''یہ تو آپ کے گھر والے ہیں'' کا ترجمہ کیا ہے کہ ''یہاں ایک تو آپ ﷺ کی بیوی ہے اور دوسری ساس صاحبہ'' حالانکہ ابوبکر صدیقؓ کے ان الفاظ کا یہ ترجمہ کسی نے نہیں کیا دراصل ان الفاظ کا صحیح معنی و مفہوم یہ ہے کہ ''میرے گھر والے آپ ﷺ کے لئے ایسے ہی ہیں جیسے آپ ﷺ کے اپنے گھر والے جس طرح آپ ﷺ کے گھر والوں سے آپ ﷺ کو کوئی فکر نہیں ایسے ہی میرے گھر والوں کی آپ کو کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے'' درحقیقت کسی کا رشتہ دار ہونا ایک علیحدہ بات ہے اور اس رشتہ دار کا مکمل طور پر قابل اعتماد ہونا ایک دیگر بات ہے اس لئے بی بی عائشہؓ کا بیوی اور ان کی والدہ کا ساس ہونا رسول اللہ ﷺ کے لئے کافی نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ ہجرت کے خفیہ مشن کو صرف ان پر ظاہر کرنا چاہتے تھے جو قابل اعتماد ہوں، کیا قرآن کریم میں جناب نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں کو ان کے خاوندوں کی خیانت کرنے والا نہیں فرمایا گیا؟ سورۃ تحریم میں ان دونوں عورتوں کی خیانت کا ذکر وضاحت کے ساتھ موجود ہے چنانچہ جناب

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابوبکر صدیقؓ کا مقصد اپنے گھر والوں کو آپ ﷺ کے گھر والے قرار دے کر انکے قابل اعتماد ہونے کا آپ کو یقین دلانا تھا پس ابوبکر صدیقؓ کے فرمائے ہوئے اس جملے سے بی بی عائشہؓ کی عمر کا تعین کرنے کی کوشش کرنا محض جہالت ہے، اسی طرح مؤلف رسالہ نے زیر عنوان ''رخصتی'' میں بی بی عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی روایت کا ذکر ہے کہ انھوں نے بی بی عائشہؓ سے کہا کہ اپنی رخصتی کا احوال بیان کریں تو بی بی نے وہ واقعہ بیان کیا اور بقول مؤلف رسالہ اس میں بی بی عائشہؓ کے جھولا جھولنے کا کوئی ذکر نہیں ہے جو بعض دوسری روایات میں ملتا ہے پھر مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿رخصتی کے سلسلہ میں یہ دونوں روایات آپ کے سامنے ہیں پہلی روایت ابن سعد کی ہے جس کو ایک سنی مؤرخ کہا گیا ہے اسکو شروع سے آخر تک پڑھیں تو اسمیں کہیں آپکو کسی لفظ یا جملے سے ام المؤمنین کی کم سنی نظر نہیں آئے گی﴾

معلوم نہیں ہم اسے فاضل مؤلف کی بددیانتی کہیں یا بدحواسی کہ جس ابن سعد کو قرشی صاحب قابل اعتماد اور سنی فرما رہے ہیں ان ہی کے طبقات ابن سعد کی یہ روایت بھی ہمارے سامنے ہے جس میں بی بی عائشہؓ کے کم سن ہونے کا ثبوت صاف طور پر موجود ہے آیئے اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

﴿تزوجني رسول الله ﷺ في شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة بثلاث سنين وانا ابنة ست سنين وهاجر رسول الله ﷺ فقدم المدينة يوم الاثنين لاثنتي عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الاول واعرس بي في شوال على رأس ثمانية اشهر من المهاجر وكنت يوم دخل بي ابنة تسع سنين ☆ طبقات ابن سعد، سنن النبي وايامه ص۱۸۸ ج۲﴾

یعنی ''بی بی عمرہؒ فرماتی ہیں کہ میں نے بی بی عائشہؓ سے سنا وہ فرماتی تھیں جب نبی کریم ﷺ نے مجھ سے عقد باندھا میری عمر اس وقت چھ سال تھی اور جب انکے پاس میری رخصتی ہوئی اور وہ میرے پاس آئے اس وقت میری عمر نو سال تھی'' اب تو قرشی صاحب کو بی بی عائشہؓ کی یہ عمر تسلیم کر لینی چاہیے کیونکہ اب تو ابن سعد جو بقول انکے سنی روای ہیں بی بی عائشہؓ کی عمر وہی بیان کر رہے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم کے راوی بیان

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں جو سب مؤلف صاحب کو شیعی اور سبائی نظر آتے ہیں، اسکے بعد زیر عنوان ''ام المؤمنین بدری صحابیہ ہیں'' میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بدر کی لڑائی کے وقت بی بی عائشہؓ بڑی عمر کی تھیں اس لئے بدر میں شریک ہوئیں حالانکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی عورتیں جنگ میں شریک نہیں ہوتیں تھیں البتہ جنگ کے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لئے جنگ میں ساتھ لے جائی جاتی تھیں اور یہ کام کوئی ایسا نہیں کہ اسکے لئے بڑی عمر کا ہونا شرط ہو بلکہ کم عمر لڑکیاں بھی یہ کام بخوبی کرسکتی ہیں اس لئے فقط جنگ بدر میں بی بی عائشہؓ کی شرکت ان کو بڑی عمر کا ثابت کرنے لئے قطعی طور پر کافی نہیں ہے اور اس سے کتب صحاح میں وارد بی بی عائشہؓ کی نوسال عمر بیان والی احادیث پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

بی بی عائشہؓ کے نکاح کے وقت ان کی عمر نوسال ہونے پر قدیم زمانے سے تمام امت اسلامیہ کا اجماع رہا ہے اور صرف اس مغرب زدہ دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں جو ناموس رسالت اور ناموس صحابہ کی دہائی دیکر اسکو تسلیم کرنے سے انکار کرنا اور کروانا چاہتے ہیں تا کہ کسی طرح صحیح احادیث کے انکار کا دروازہ کھل جائے اور اگر ایک بار یہ دروازہ کھل گیا تو پھر خواہش پرست لوگ جس حدیث کو چاہیں گے قبول کریں گے اور جس کو چاہیں گے رد کر دیں گے اسطرح وہ دین کو موم کی ناک بنا کر جس طرف چاہیں موڑ سکیں گے، بی بی عائشہؓ کے نکاح کی عمر نوسال کے تعین پر نہ صرف اجماع امت ہے بلکہ اس ضمن میں وارد تمام احادیث صحت کے اعلیٰ درجہ پر اور متواتر ہیں جو فقط ان باتوں سے رد نہیں ہوسکتیں کہ بی بی عائشہؓ بدر میں شریک تھیں یا احد میں شریک تھیں یا اسامہ بن زید کی ناک صاف کیا کرتی تھیں وغیرہ۔

خلاصہ کلام:

بی بی عائشہؓ کے نکاح کے سلسلے میں امت اسلامیہ کا اجماع اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح کی یہ بات ایسا سچ ہے جس کا جھٹلانا تا قیامت کسی کے لئے ممکن نہیں اسکی زبردست دلیل یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس مسئلہ میں اپنی کتاب کے اکہتر (۷۱) صفحات کالے کئے ہیں مگر ان کو ایک بھی دلیل ایسی نہیں ملی جس کے صاف الفاظ یہ ہوں کہ نکاح کے وقت بی بی عائشہؓ کی عمر نو (۹) نہیں بلکہ اٹھارہ (۱۸) یا انیس (۱۹) سال تھی۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض اس قسم کے دلائل نقل کر کے مؤلف صاحب اپنے آپ کو عقل مند اور پوری امت اسلامیہ کے علماء وفقہاء ومحدثین کو جاہل اور بے وقوف ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جن عقلی دلائل سے مؤلف صاحب بی بی عائشہؓ کی عمر بڑھانا چاہتے ہیں وہ تمام امت اسلامیہ کے مفسرین، محدثین اور مؤرخین کے ہی بیان کردہ ہیں یعنی ان تمام باتوں کے علم میں ہونے کے باوجود ان تمام لوگوں نے یہ عقیدہ جمائے رکھا کہ نکاح کے وقت بی بی عائشہؓ کی عمر نو سال تھی صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے بد عقلی دلائل کے ذریعہ منکرین حدیث کسی عامی آدمی کو تو اپنے دام میں گرفتار کر سکتے ہیں لیکن امت اسلامیہ کے اہل علم طبقہ نے قرآن وحدیث کی نصوص کے مقابلے میں اس قسم کی باتوں کی نہ پہلے کبھی پرواہ کی اور نہ کبھی آئیندہ کان دھریں گے کیونکہ ان باتوں کا ٹکراؤ صریح طور پر قرآن وسنت کے دلائل سے ہوتا ہے اسلئے یہ بے بنیاد باتیں اور باطل نظریات رد کر دینے کی ہی قابل ہیں اور صحیح اور مستند بات یہی ہے کہ بی بی عائشہؓ کا عقد نبی کریم ﷺ سے چھ سال کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی اسکے بعد بی بی عائشہؓ نبی کریم ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ جب نبی کریم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت بی بی عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی پس امت مسلمہ میں سے جو کوئی بھی اسکے خلاف کوئی عقیدہ رکھتا ہو اسے اپنے اس عقیدہ سے رجوع کر لینا چاہیے اور اپنے دین وایمان کی خیر منانی چاہیے کیونکہ اسکا انکار قرآن اور احادیث صحیحہ کا انکار ہے۔

﴿ وماعلینا الا البلاغ ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم: آیت قرآنی کی تفسیر اور بی بیؓ کا نکاح

موجودہ دور میں انکار حدیث کا فتنہ ایک سیلاب کی صورت میں جس طرح بڑھتا جا رہا ہے اس سے قبل پہلے کبھی نہیں تھا جس طرح ایک زمانے میں یونانی فلسفہ اور منطق اسلام پر اس طرح حملہ آور ہوئے تھے کہ لگتا تھا کہ تمام امت مسلمہ اس میں بہہ جائے گی اسی طرح ماضی قریب میں جدید سائنس نے قرآن کے انکار کی جو راہ ہموار کی تھی وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں جس کا کچھ تذکرہ اسی رسالے کے مقدمہ میں سرسید احمد خان کے حوالے سے آچکا ہے لیکن یہ اہل ضلالہ کا یہ حملہ بھی کچھ خاص کامیاب نہیں ہوسکا جس کا اہم ترین سبب قرآن کریم کا بالفظ محفوظ ہونا تھا اس کے بعد طاغوتی طاقتوں نے احادیث نبویہ کو اپنا نشانہ بنایا کیونکہ احادیث نبویہ کے بالفظ محفوظ ہونے کے بجائے بالمعنی محفوظ ہونے پر امت اسلامیہ کا اجماع تھا چنانچہ منکرین حدیث نے وضع احادیث کا جو فتنہ تدوین احادیث سے قبل وقوع پذیر ہوا تھا اسکو بنیاد بنا کر لوگوں کے اذہان میں شکوک وشبہات ایک طوفان برپا کر دیا اور عوام الناس کو یہ باور کرایا گیا اور اب تک کرایا جا رہا ہے کہ احادیث کا کوئی بھی ذخیرہ قابل اعتماد نہیں ہے حالانکہ حقیقت اسکے قطعی برخلاف ہے فرض کریں اگر وضع حدیث کا فتنہ خیر القرون اور اسکے متصل بعد پیدا نہیں ہوا ہوتا بلکہ مذید چار چھ سو سال بعد پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہمارے اہل علم اسلاف کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ صحیح اور غلط کو علیحدہ علیحدہ کر سکتے یا رواۃ حدیث کے حالات کی چھان پھٹک کر سکتے ظاہر ہے کہ یہ کام ناممکن ہوجاتا یعنی وضع حدیث کا جو فتنہ اس دور میں پیدا ہوا تھا وہ بظاہر ایک شر تھا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شر میں سے بھی خیر برآمد کر دیا اور اس فتنہ کی وجہ سے ہمارے اسلاف نے احادیث اور رواۃ حدیث کی جانچ پڑتال کی اور ایسے اصول بنا دیئے کہ اسکے بعد سے آج تک کسی شخص یا جماعت کو یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ وہ اپنی جانب سے احادیث گھڑ احادیث کا کوئی ایسا مجموعہ تیار کر دے جسے امت مسلمہ قبول کر لے یا صرف ایک حدیث ہی گھڑ کر کسی صحیح احادیث کے مجموعہ میں شامل کر کے دکھائے ناممکن ہے کہ کوئی ایسا کرے اور اسکی یہ حرکت اہل علم سے پوشیدہ رہ جائے کیونکہ ایسی کوشش ہر دور میں لوگ کرتے رہے ہیں مگر اصول حدیث پختہ ہوجانے اور احادیث کی مستند کتابیں ترتیب پا جانے کے بعد آج تک ایسی کوئی بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوشش کامیاب نہیں ہوسکی

حدیث چونکہ نبی کریمﷺ سے منقول ہوکر ہم تک راویوں کے واسطے سے پہنچتی ہے اس لئے حدیث کی صحت اور عدم صحت کی پہچان کیلئے سب سے پہلا نشانہ اور ہدف یہی راوی ہوتے ہیں اسلئے علمائے حدیث نے راویوں کے بارے میں اہتمام کیا اور انکی روایات قبول کرنے کے لئے ایسی دقیق اور پختہ شرائط مقرر کیں جو ان کی سوچ اور دور اندیشی کے درست ہونے کی دلیل ہیں اور ان کے طریقہ اور اسلوب کی عمدگی پر دال ہیں وہ شرطیں جو انھوں نے راوی پر لگائی ہیں یا وہ شرطیں جو انھوں نے حدیث اور اخبار کے قبول کرنے کے لئے مقرر کی ہیں ان تک کوئی امت بھی نہ پہنچ پائی حتیٰ کہ اس زمانے کے لوگ بھی جسے باریک بینی اور ذرائع ابلاغ کے عروج کا زمانہ کہتے ہیں، انھوں نے بھی اخبار و واقعات کے ناقلین میں ان شروط کا التزام نہیں کیا جو علمائے اصول حدیث نے راوی میں شروط مقرر کی ہیں بلکہ اس سے کم بھی نہیں پس ایسی بہت سی خبریں جنہیں سرکاری خبر رساں ایجنسیاں نقل کرتی ہیں اور ان کی اشاعت کرتی ہیں ان کی توثیق نہیں کی جاتی اور نہ ہی انکی سچائی جانچنے کی طرف کوئی خاص میلان ہوتا ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کیونکہ ان کے راوی مجہول ہوتے ہیں جس کے باعث اکثر طور پر تھوڑے ہی عرصہ میں ان خبروں کی عدم صحت اور ضعف کا اظہار ہو جاتا ہے جبکہ محدثین نے مقبول حدیث کیلئے جو شرائط عائد کی ہیں ان میں اولاً سند کا متصل ہونا یعنی ایک حدیث کے جتنے بھی رواۃ ہیں ان سب کا ایک دوسرے سے تسلسل کے ساتھ روایت کرنا، ثانیاً راویوں کا عادل ہونا یعنی کسی بھی راوی کا جھوٹ فریب اور تمام اخلاقی برائیوں سے پاک ہونا، ثالثاً راویوں کا ضابط ہونا یعنی ہر راوی کا وہم و نسیان سے پاک قوی الحافظہ ہونا، رابعاً حدیث کا علت سے پاک ہونا یعنی حدیث قرآن یا شان رسالت کے خلاف اس طرح واقع ہوتی ہو کہ اسکی کوئی تاویل ممکن نہ ہو یا حدیث کے متن میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو کسی دوسری حدیث کے ذریعہ متروک یا منسوخ ہ ثابت ہو، خامساً حدیث کا مضمون شاذ نہ ہو یہی وجہ ہے کہ کئی صدیاں بیت جانے کے بعد بھی آج تک کسی شخص نے بھی محدثین کی رقم کردہ ان صحیح احادیث کو سند کے اعتبار سے نا قابل قبول قرار دینے کی کوشش نہیں کی ہے

انکار حدیث کے ضمن میں منکرین حدیث نے خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو نشانہ تنقید بنایا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ ان دونوں مجموعوں کی صحت پر امت اسلامیہ کا قدیم زمانے سے اجماع رہا ہے چنانچہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ کسی بھی طرح اگر ان متفق علیہ احادیث پر اہل اسلام کا اعتماد مجروح کر دیا جائے تو بقیہ احادیث کے بارے میں کچھ کہنے یا کرنے کی ضرورت باقی ہی نہیں رہ جائیگی اور اسکے بعد قرآن کی من مانی تفسیر کر کے دین اسلام کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جائے گا کیونکہ قرآن کی من مانی تفسیر کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی احادیث ہیں اور جب یہ رکاوٹ باقی ہی نہیں رہے گی تو محض عربی لغات اور فلسفہ کے ذریعہ قرآن کی ایسی تفاسیر کی جائیں گی جیسی اپنے مطلب کی تفاسیر شیعہ اور دیگر باطنی فرقوں نے کر لی ہیں جو محدثین کرام سے محض انکے اہل بیت میں سے نہ ہونے کے باعث متنفر ہیں اور قرآن کی تفسیر کا اسحقاق اپنے خود ساختہ اماموں کو تفویض کرتے ہیں جنہیں اہل بیت سمجھتے ہیں لیکن منکرین حدیث کا معاملہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے کیونکہ انکار حدیث کا یہ فتنہ صرف اہل عجم کا ہی خاصہ ہے اسلئے انکے امام بھی عجمی ہیں جیسا کہ غلام احمد پرویز صاحب جنہوں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے حدیث کو چھوڑا تو چھوڑا عربی لغت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ مـانـنسخ من آية او ننسهانأت بخيرمنها وأو مثلها ألم تعلم ان الله على كل شئى قدير ☆ سورة البقرة ١٠٦ ﴾

یعنی ''ہم منسوخ کرتے ہیں کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں آپ ﷺ کو کوئی آیت تو لے آتے ہیں اسکی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسی کوئی آیت کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' لیکن پرویز صاحب چونکہ قرآن میں نسخ کو تسلیم نہیں کرتے اس لئے انھوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ''اس سے مراد اہل کتاب ہیں کہ جب انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی اور اس کا بیشتر حصہ فراموش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کے ذریعہ انکی کتابوں کو منسوخ کر دیا جیسے بائبل کی جگہ قرآن لے آیا'' اس آیت کریمہ کا یہ مفہوم جہاں ایک جانب تمام مفسرین کے بیان کردہ مفہوم کے قطعی خلاف ہے وہیں دوسری جانب عربی لغت و گرامر کے اعتبار سے بھی اسکا یہ مفہوم لینا ناممکن ہے کیونکہ ''ننسخ'' کا مطلب ہے ہم منسوخ کرتے ہیں اور ''ننسھا'' کا مطلب ہے ہم بھلا دیتے ہیں یعنی منسوخ ہونا اور بھلا دینے کا فاعل یہاں اہل کتاب نہیں بلکہ اللہ ہے، اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ایک دوسری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم ☆ سورۃ الشوریٰ ۵۱﴾

یعنی ''کسی بشر کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بات کرے سوائے اسکے کہ اسکی طرف القاء کردے کوئی بات یا پردے کی پیچھے سے کلام کرے یا اپنا فرشتہ بھیجے اسکی طرف جو اس پر وحی کرے وہ جو اللہ چاہے بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے'' تمام مفسرین کے نزدیک یہاں وحی کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں جن میں سے اول قسم عام جو کسی بھی نبی یا غیر نبی پر خواب یا بیداری کی حالت میں واقع ہوسکتی ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف یا شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر قرآن میں موجود ہے جبکہ دوسری اور تیسری قسم صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر پردے کی پیچھے سے بات کی اور نبی کریم ﷺ سے معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ پر ہوئی اور وحی کی تیسری قسم وہ ہے جس پر پورا کا پورا قرآن مشتمل ہے یعنی جبرائیل کا غیر محسوس طریقہ سے نبی کریم ﷺ کے قلب پر قرآن کو وحی کرنا لیکن چونکہ منکرین حدیث قرآن کے علاوہ کسی اور وحی کو نہیں مانتے ورنہ انہیں احادیث کو بھی وحی کی قسم سے تسلیم کرنا پڑے گا اس لئے پرویز صاحب نے اس آیت کے آخری ٹکڑے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ''اس آیت میں ''رسول'' سے مراد فرشتہ نہیں بلکہ نبی اور رسول ہے جو اپنی امت کو وحی سے حاصل ہونے والے پیغام کو منتقل کرتا ہے'' حالانکہ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ ''وحی'' کا اطلاق اس بات پر ہوتا ہے جو چپکے سے اور غیر محسوس طریقہ پر کسی کو پہنچا دی جائے جبکہ نبی اپنی امت کو جو پیغام پہنچاتا ہے وہ چپکے سے نہیں بلکہ بانگ دہل ہوتا ہے اسلئے وحی کے لفظ کو تبلیغ پر چسپاں کرنا عربی لغت کے اعتبار سے قطعی طور پر غلط ہے اسی طرح قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ:

﴿ یضل من یشاء ویھدی من یشاء﴾

یعنی ''ہم جسے چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں'' لیکن پرویز صاحب چونکہ تقدیر کے قائل نہیں اس لئے اسکا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اللہ اسے گمراہ کرتا ہے جو گمراہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہتا ہے اور اسے ہدایت دیتا ہے جو ہدایت چاہتا ہے حالانکہ عربی لغت کے اعتبار سے یہ مفہوم بالکل غلط ہے مزید برآں جو لوگ قرآن کی تفسیر محض عربی لغت کی مدد سے کرنا چاہتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عربی لغت قرآن کے بعد وجود میں آئی ہے اسلئے عربی لغت تو خود قرآن کی محتاج ہے وہ قرآن کا احاطہ کس طرح کرسکتی ہے دوسری بات جس بنیاد پر منکرین حدیث احادیث کو قرآن کی تفسیر شمار کرنے سے کتراتے ہیں وہ بنیاد عربی لغت میں بھی جوں کی توں موجود ہے یعنی عربی لغت پر عجمی اہل علم حضرات کی اجارہ داری کیونکہ جس طرح احادیث کی کتابیں بخارا، نیشاپور اور سمرقند سے تعلق رکھنے والوں نے مرتبکیں ہیں اسی طرح عربی لغت میں بھی نمایاں کام انہیں لوگوں کا ہے جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی مثلاً القاموس المحیط للامام فیروزآبادی ،مختار الصحاح لابی بکر الرازی، مفرادات الفاظ القرآن للامام راغب اصفہانی، لسان العرب لابن المنظور الافریقی وغیرہ پس کسی کے لئے بھی انکار حدیث کے بعد قرآن کے مفہوم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

منکرین حدیث کی پہچان:

قرآن کریم بنیادی طور پر عقیدہ اور اسلام کے بنیادی اصولوں کو بیان کرنے والی کتاب ہے اسی لئے احکامات سے متعلق آیت اکثر وبیشتر مجمل ہیں جن پر عمل کرنے کیلئے کسی نہ کسی درجہ میں احادیث نبویہ کی جانب رجوع کرنا ازبس ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب انکار حدیث میں مبتلا افراد کو منکرین احادیث کے لقب سے پکار جائے تو وہ اکثر وبیشتر برامان جاتے ہیں کیونکہ روزمرہ کے معمولات میں بے شمار ایسے معاملات آتے ہیں جہاں وہ بھی احادیث پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں چناچہ وہ چاہتے ہیں کہ انھیں منکر حدیث نہ کہا جائے بلکہ سیرت طیبہ کا محافظ یا ناموس رسالت کی حفاظت کرنے والا کہا جائے مثلاً منکرین حدیث کے موجودہ درور کے سرخیل غلام احمد پرویز صاحب سے ایک ٹی وی انٹرویو میں جب یہ سوال کیا گیا کہ لوگ آپ کو منکر حدیث کیوں کہتے ہیں تو انھوں نے کہا کہ مجھے خود نہیں معلوم کہ لوگ ہمیں منکر حدیث کیوں کہتے ہیں حالانکہ میں نے اپنی تصانیف میں جہاں کہیں بھی ضروری سمجھا ہے احادیث سے استفادہ کیا ہے اور اسکے علاوہ سیرت النبی ﷺ پر میری ایک مستقل کتاب ہے موجود ہے جسمیں میں نے بہت

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سی احادیث نقل کیں ہیں اور کچھ اسی نوعیت کا بیان جناب قرشی صاحب کی طرف سے بھی آیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

﴿میری زندگی اہل حدیث حضرات کے بیچ گذری ہے جنکا اوڑھنا بچھونا ہی حدیث نبوی کے مطابق تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ میں نے احادیث نبوی کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی ہاں بشریت کے تقاضے سے کہیں بھول چوک تو ہوسکتی ہے مگر انکار حدیث جیسا فعل میرے لئے محال ہے اسلئے براہ کرم بغیر تحقیق منکر حدیث کا فتویٰ دینے سے گریز کریں﴾

قرشی صاحب کے اس بیان کو دیکھتے ہوئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں اہل حدیث اور منکر حدیث کے درمیان فرق کو واضح کردیں اور منکرین حدیث کی شناختی علامات کو بیان کردیں تاکہ ہر وہ شخص جو کسی بھی سبب انکار حدیث کے جراثیم سے متاثر ہوا ہے اپنا محاسبہ خود کرلے اور اس گمراہی سے تائب ہوجائے اورعوام الناس منکرین حدیث کوانکی شناختی علامات کے ذریعہ پہچان کران خوبصورت جال میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہ سکیں اس سلسلہ میں سب سے پہلی علامت تو وہی ہے جس کا کچھ تذکرہ سطور بالا میں بھی ہم نے کیا ہے یعنی ناموس قرآن یا ناموس رسالت کی دہائی دے کر کسی صحیح حدیث کوتسلیم کرنے سے انکار کرنا معلوم ہونا چاہیے کہ اصول حدیث کے مطابق کوئی بھی حدیث جوقرآن کے خلاف یا نبی کی شان کے خلاف ہو قابل رد ہے اور یہ اصول منکرین حدیث کا بنایا ہوانہیں بلکہ محدثین کا بنایا ہوا ہے اور محدثین کا زہدوتقویٰ اور علمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے یعنی آج جوصحیح احادیث منکرین حدیث کوقرآن یا شان رسالت کے منافی نظر آتی ہیں محدثین کی تحقیق میں ان حدیث کا صحیح قرار پانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ احادیث قرآن یا شان رسالت کے منافی نہیں بلکہ منکرین حدیث کے فہم وفراست سے بعید ہونے کے باعث انہیں اس طرح نظر آتی ہیں ورنہ احادیث کی تخریج اور تشریح کا کام جوتقریباً ہرصدی میں جاری رہا ہے اسمیں ان احادیث کی نشاندہی ضرور کردی جاتی مثلاً صحیح بخاری کی اب تک بہت سی شرحیں لکھی جاچکی ہیں جن میں حافظ ابن حجرعسقلانی کی شرح فتح الباری، علامہ عینی کی شرح عمدہ القاری، شرح صحیح بخاری للقسطلانی اور شرح صحیح بخاری للکرمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن ان شارحین میں سے کسی نے بھی کبھی نہیں کہا کہ صحیح بخاری کی فلاں حدیث قرآن کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہے یا شان رسالت کے خلاف ہے بلکہ ایسی کوئی حدیث اگر نظر بھی آئی تو صرف منکرین حدیث کو اس دور میں نظر آئی جنہیں حدیث، اصول حدیث اور رواۃ حدیث کی حروف ابجد بھی معلوم نہیں ہے ہماری یہ بات کوئی مبالغہ نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے جسکا ثبوت منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز کے قلم سے نکلے ہوئے یہ الفاظ ہیں:

﴿ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے کانوں تک پھر بار بار رفع یدین نہیں کیا جبکہ بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے تھے۔

سنن امام شافعیؒ اور مسند احمد بن حنبلؒ میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بحالت قیام سینہ پر ہاتھ باندھے تھے جبکہ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے ☆ قرانی فیصلے حصہ اول صفحہ ۳۰﴾

پرویز صاحب کا یہ بیان ظاہر کررہا ہے کہ یہ صاحب علم حدیث میں قطعی طور پر یتیم ہیں اور جن احادیث کی کتابوں کا نام لے کر حوالے دے رہے ہیں ان میں سے اکثر ان کے پاس موجود بھی نہیں ہیں مثلاً موطا امام مالک کا نام لے یہ حوالہ دینا کہ وہاں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی حدیث موجود ہے حالانکہ موطا میں ایسی کوئی حدیث سرے سے موجود ہی نہیں ہے اسی طرح جامع الترمذی، سنن نسائی اور ابوداؤد کا حوالہ دے کر یہ کہنا کہ وہاں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث ہے سفید جھوٹ ہے بلکہ وہاں جو حدیث ہے اسمیں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے مگر اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ اسکے بعد رفع یدین کیا گیا یا نہیں جبکہ بعض دوسری احادیث میں رکوع سے قبل اور بعد میں رفع یدین کا ذکر موجود ہے اسطرح رفع یدین کرنے کے تمام مواقعوں کی تفصیل مل جاتی ہے اور احادیث میں کوئی ٹکراؤ امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

پس منکرین حدیث کی دوسری شناختی علامت یہ ہے کہ قرآن کے مفسر بننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ انھیں احادیث کے درجات، رواۃ حدیث کی اقسام اور محدثین کی اصطلاحات کا قطعی کوئی علم نہیں ہوتا مثلاً ایک مقام پر جناب پرویز صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے ایک راوی کی تدلیس کو کذب پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمول فرمایا ہے یعنی یہ لوگ محض اپنی عقل کو احادیث کے قبول ورد کا معیار بناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین نے بھی اسی طرح محض اپنی عقل کی بنیاد پر احادیث کو صحیح اور ضعیف قرار دیا ہے حالانکہ یہ خیال قطعی غلط اور بے بنیاد اور لغو ہے۔

منکرین حدیث کی تیسری شناختی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ احادیث کے ذخیروں اور تاریخ کی کتابوں میں کوئی فرق نہیں سمجھتے بلکہ اکثر اوقات اگر اپنے مطلب کی کوئی بات تاریخ کی کسی کتاب میں مل جائے جو کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو تو یہ حضرات صحیح حدیث کو چھوڑ کر بے سند تاریخی روایت کو اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں سمجھتے احادیث کی کتابوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ تاریخ دین کی کتابوں میں کتب احادیث کو خاص اہمیت حاصل ہے ان کی صحت کو عقیدہ میں شامل کیا جاتا ہے، چنانچہ بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی قرآن کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ صحیح کتاب مانا جاتا ہے اور منوایا جاتا ہے لیکن کتب احادیث جس زمانے میں اور جس انداز سے مرتب ہوئی ہیں وہ اس پر شاہد ہے کہ انہیں کس حد تک حتمی اور یقینی کہا جا سکتا ہے، بخاری شریف عہد رسالت مآب سے تقریباً سوا دوسو سال بعد مرتب ہوئی ہے اور اسکا مدار تمام تر ان روایات پر مشتمل ہے جنہیں امام بخاریؒ نے لوگوں کی زبانی سنا انہوں نے تقریباً چھ لاکھ روایت جمع کیں اور انہیں اپنے قیاس سے چھانٹا اور قریب چھ ہزار اپنے مجموعہ میں داخل کیں اب آپ خود اندازہ فرما لیجئے کہ جہاں تک حتم اور یقین کا تعلق ہے قرآن کے مقابلے میں تاریخ کی ان صحیح کتابوں کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے ☆ قرانی فیصلے جلد اول صفحہ ۳۰۷ ﴾

پرویز صاحب کے اس اقبالی بیان سے ان کا اور انکی جماعت کا منکر حدیث ہونا صاف ظاہر ہے کیونکہ کسی بھی چیز کو اس کی اصل حیثیت میں تسلیم نہ کرنا ہی درحقیقت اس چیز کا انکار ہوتا ہے مثلاً ایک شخص اپنی اولاد کو اپنی اولاد ماننے کو تیار نہ ہو بلکہ بھانجا، بھتیجا یا اور کوئی بھی رشتہ جو آپ منوانا چاہیں ماننے کو تیار ہو تو کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس شخص کو اپنی اولاد کا منکر نہیں کہا جائے گا اسی طرح جب منکرین حدیث ان احادیث کی کتابوں کو حدیث رسول ﷺ کی حیثیت سے ماننے کو تیار نہیں ہیں تو انہیں منکر حدیث نہیں تو اور کیا کہا جائے گا۔

منکرین حدیث کی چوتھی شناختی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ احادیث نبوی ﷺ کو وحی کی ایک قسم تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور حصول علم کا یک یقینی ذریعہ تسلیم کرنے کے بجائے احادیث کی کتابوں کو محض ظن اور گمان پر مشتمل مواد تصور کرتے ہیں اور اسکی دلیل قرآن سے یہ پیش کرتے ہیں کہ ''ان الظن لایغنی من الحق شیأ''، یعنی ''گمان کبھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا'' حالانکہ قرآن کی آیت کا یہ ٹکڑا دو وجوہات کی بنا پر اس ضمن میں قابل استدلال نہیں ہے اسکے لئے اس آیت اور اسکی ماقبل آیت کو پورا دیکھنا ضروری ہے، ان آیات کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ ان الذین لایؤمنون بالآخرۃ لیسمون الملائکۃ تسمیۃ الانثی ☆ ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لایغنی من الحق شیأ ☆ سورۃ النجم آیت ۲۷،۲۸ ﴾

یعنی ''بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو مونث ناموں سے پکارتے ہیں اور ان کے پاس کچھ علم نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان کبھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا'' پہلی بات یہاں اس آیت میں لفظ ظن کو علم کے مقابلے میں لایا گیا ہے اور علم حاصل ہونے کے تین ذریعہ ہوتے ہیں یعنی سننا، دیکھنا اور محسوس کرنا مثلاً ایک شخص نے لوگوں سے سنا کہ شکر سفید رنگ کی اور میٹھی ہوتی ہے لیکن خود اس شخص نے کبھی شکر دیکھی ہے اور نہ چکھی ہے تو محض سننے سے اسے جو یقین حاصل ہوگا اسے علم الیقین کہا جائے گا پھر وہ شکر کو دیکھ لیتا ہے اور اسے سفید ہی پاتا ہے تو اب اسے شکر کے بارے میں عین الیقین حاصل ہو جائے گا اسکے بعد اسے چکھ بھی لیتا ہے تو میٹھا ہی پاتا ہے تو اب اسے شکر کے بارے میں حق الیقین حاصل ہو جائیگا پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں ظن سے مراد محض وہم و خیال ہے کیونکہ جن لوگوں کا اس آیت کریمہ میں تذکرہ ہے کیا ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس نے فرشتوں کو دیکھا ہے اور مونث حالت میں دیکھا ہے؟ صاف ظاہر ہے اہل مکہ جو فرشتوں کو مونث مانتے تھے ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیا کہ اس نے فرشتوں کو دیکھا ہے یعنی اس ضمن میں انہیں علم کے حصول کے تینوں ذرائع میں سے کوئی بھی ذریعہ حاصل نہیں تھا جس کا ذکر قرآن یہاں کر رہا ہے اسلئے اس ظن کو احادیث نبوی پر محمول کرنا بڑی بھاری غلطی ہے کیونکہ محدثین نے جن اہل علم سے یہ احادیث سنیں انھوں نے اس دعویٰ کے ساتھ ان احادیث کو پیش کیا یہ احادیث انھوں نے خود اپنے کانوں تابعین سے، تابعین نے اپنے کانوں سے صحابہ کرام سے اور صحابہ کرام نے اپنے کانوں سے نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں اور محدثین کرام نے احادیث بھی صرف ان لوگوں کی قبول کیں جن کا زہد وتقویٰ اور علمیت مسلمہ تھی مزید برآں جن لوگوں نے احادیث کو ظنی کہا ہے ان لوگوں کی مراد اس سے وہ ظن نہیں جو منکرین حدیث باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد حق الیقین سے کم تر درجہ کا یقین ہے کیونکہ ظن کا لفظ بعض اوقات یقین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی مثال قرآن میں بھی موجود ہے مثلاً سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ واستعينوا بالصبر والصلاة وانها لكبيرة الا على الخاشعين ☆ الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم اليه راجعون ☆ سورة البقرة ۴۵، ۴۶ ﴾

یعنی ”اللہ سے مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعہ اور بے شک (نماز) بڑی بھاری چیز ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں، (اللہ سے ڈرنے والے لوگ) وہ ہیں جو اللہ سے ملاقات اور اسکی طرف لوٹ جانے کا ظن رکھتے ہیں“ صاف ظاہر ہے کہ یہاں ”ظن“ سے مراد ایمان ویقین ہے کیونکہ آخرت اور اللہ سے ملاقات پر یقین رکھنا اسلام کا ایک لازمی جزو ہے پس سورۃ نجم کی آیت میں مذکور ظن کو احادیث نبوی ﷺ پر لاگو کرنا محض دجل وفریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ دین اسلام میں بہت سے امور ہیں جن کا فیصلہ محض ظن کی بنیاد پر ہی کیا جاتا ہے مثلاً چوری، زنا اور قتل وغیرہ کے مقدمہ میں اکثر اوقات فیصلہ اشخاص کی گواہی پر ہی کیا جاتا ہے اور گواہی کا ظنی ہونا اظہر من الشمس ہے پھر ان مقدمات میں گواہ کے جھوٹے ہونے کا امکان بھی ہمشہ موجود رہتا ہے اسکے باوجود جو فیصلہ کیا جاتا ہے وہ سب کیلئے قابل قبول ہوتا ہے اور نافذ العمل سمجھا جاتا ہے جبکہ رواۃ حدیث کا جھوٹے ہونے امکان نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ محدثین نے اس سلسلہ میں جو محکم اصول بنائے ہیں اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رواۃ حدیث کے حالات و کردار کی جس انداز میں چھان پھٹک کی ہے اس سے سب واقف ہیں پس معلوم ہوا کہ اصولی طور پر احکامات اور معاملات کے ضمن میں ظن حق کو ثابت اور غالب کرنے کیلئے قابل قبول اور مفید ہے یعنی احادیث کو اگر ظنی کہا بھی جائے تب بھی احادیث امور دین میں دلیل و حجت ہیں۔

منکرین حدیث کی پانچویں شناختی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ دین کے معاملات میں عقل کو استعمال کرنے پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں اور علمائے دین کو عقل نہ استعمال کرنے کا طعنہ دیتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ علماء چونکہ عقل استعمال نہیں کرتے اس لئے اہل علم میں شمار کرنے کے لائق بھی نہیں ہیں ثبوت کے طور پر پرویز صاحب کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمایئے وہ لکھتے ہیں کہ:

﴿کسی چیز کے حفظ کرنے میں عقل وفکر کو کچھ واسطہ نہیں ہوتا اس لئے حفظ کرنے کو علم نہیں کہا جاسکتا، ہمارے علماء کرام کی بعینہ یہی حالت ہے کہ انھوں نے قدیم زمانے کی کتابوں کو اسطرح حفظ کیا ہوتا ہے کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں مسئلہ کے متعلق فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے، فلاں امام نے کیا کہا ہے ،فلاں مفسر کا کیا قول ہے ،فلاں محدث کا کیا ارشاد ہے اور جو کچھ انہیں ان کتابوں میں لکھا ملتا ہے وہ اسے حرفاً حرفاً نقل کر دیتے ہیں اس میں اپنی عقل وفکر کو قطعاً دخل نہیں دینے دیتے اسلئے ہم انہیں علمائے دین کہنے کے بجائے (Catalogur) یعنی حوالہ جات کی فہرست کہتے ہیں اور علامہ اقبال کے بقول:

''فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا''

قرآن نے اسکو''حمل اسفار'' کتابیں اٹھائے پھرنے سے تعبیر کیا ہے یہ اپنے محدود دائرے میں معلومات کے حافظ ہوتے ہیں عالم نہیں ہوتے ☆ قرآنی فیصلے ص ۵۰۶﴾

منکرین حدیث دینی معاملات میں عقل کے استعمال کیلئے دلیل کے طور پر قرآن کی متعدد آیات کو پیش کرتے ہیں جس کے باعث ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو عقلمند کہلوائے جانے کا خواہشمند ہوتا ہے منکرین حدیث کے پھیلائے ہوئے اس جال میں باآسانی پھنس جاتا ہے اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر منکرین حدیث کی اس فریب کاری کا پردہ بھی چاک کر دیا جائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ قرآن نے عقل

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا استعمال کس ضمن میں کرنے کا حکم دیا ہے اور کہاں ہر مسلمان عقل کے بجائے اللہ اور اسکے رسول کے حکم کا پابند ہے۔

اولاً عقل کا استعمال کرنے کی دعوت قرآن میں سب سے زیادہ ان مقامات پر ہے جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کائنات میں پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں کے ذریعہ انسان کی توجہ توحید باری تعالیٰ کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہے مثلاً سورۃ شعراء میں ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ قال رب المشرق والمغرب ومابینهما ان کنتم تعقلون☆ سورة الشعراء ۲۸﴾

یعنی ''اللہ مشرق ومغرب اور جو کچھ انکے درمیان ہے ان سب کا رب ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو اپنی وحدانیت پر دلیل بنایا کہ جب ساری کائنات کا پالنے والا اللہ ہے تو پھر جو لوگ عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرتے ہیں وہ سراسر عقل کے خلاف کام کرتے ہیں اور سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ان فی خلق السماوات والارض وختلاف اللیل و النهار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل الله من السماء من ماء فأحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دآبة و تصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون☆ البقرة ۱۶۴ ﴾

یعنی ''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے فرق میں، کشتی جو سمندر میں لوگوں کے نفع کے واسطے چلتی ہے، اللہ تعالیٰ کا آسمان سے پانی نازل کرنا جو مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، ہر قسم کے جانوروں کا زمین میں پھیلا دینا، ہواؤں کا چلانا اور بادلوں کا آسمان وزمین کے درمیان معلق کر دینا، یہ سب نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں'' یہاں کائنات کے نظام کا محکم ہونا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و وحدانیت پر بطور دلیل لایا گیا ہے تاکہ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد بھی ایک اور اکیلا رب اور معبود صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کر سکیں، اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں اسکے علاوہ عقل استعمال کرنے کا حکم

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گذشتہ اقوام کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کرنے کے لئے بھی دیا گیا ہے مثلاً سورۃ یوسف میں ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ وما أرسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیهم من اهل القری افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم ولدار الآخرة خیر للذین اتقوا افلا تعقلون ☆سورة یوسف ۱۰۹ ﴾

یعنی ''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جو نبی بھیجے وہ سب مرد تھے جن پر ہم نے ان کی بستی والوں کے درمیان میں ہی وحی کی تھی، کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں کہ ان پچھلوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے'' یہاں ان لوگوں کو عقل کا استعمال کرنے کا حکم دیا گیا جو گذشتہ انبیاء کرام کی امتوں کا حشر دیکھ کر بھی انجان بنے ہوئے تھے، اسی طرح عقل کا استعمال کرنے کا مشورہ قرآن نے ان لوگوں کو بھی دیا ہے ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بنیادی اخلاقیات کی پامالی پر کمر بستہ ہیں اور سمجھتے ہیں کہ برائی کا انجام برا نہیں ہوتا مثلاً سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ قل تعالوا أتل ماحرم ربکم علیکم ألا تشرکوا به شیأ وبالوالدین احسانا ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها وما بطن ولاتقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق ذلکم وصاکم به لعلکم تعقلون ☆ سورة الانعام ۱۵۱ ﴾

یعنی ''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے آؤ میں بتاؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے، یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کرنا، والدین کے ساتھ احسان کرتے رہو، اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، فحش کے قریب بھی مت جاؤ خواہ وہ کھلا ہو یا چھپا ہو اور کسی ایسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہیں وصیت ہے شاید کہ تم عقل سے کام لو'' یہاں تمام ایسی بنیادی اخلاقیات کا حکم دیا جارہا ہے جو اس قبل دیگر تمام شریعتوں اور مذاہب میں بھی موجود

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہیں تھیں اور ان احکامات سے اعراض اور خلاف ورزی ہمیشہ سے فساد فی الارض کا باعث رہی تھی اس لئے ان احکامات کی اہمیت وافادیت کو سمجھنے کی غرض سے یہاں عقل وفہم انسانی کو دعوت دی جارہی ہے تا کہ مسلمان ان احکامات کی پابندی کو اپنے اوپر کوئی بوجھ نہ سمجھیں، اسی طرح بنیادی اخلاقیات کے خلاف ایک چیز قول و فعل کا تضاد بھی ہے، اسکے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ أتـامـرون الـنـاس بـالبـر وتـنـسـون انـفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون ☆ سورة البقرة ۴۴﴾

یعنی ''کیا تم دوسروں کا نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم تو کتاب بھی پڑھتے ہو پس کیا تم عقل نہیں رکھتے''، یعنی کسی غلط عمل کی کوئی تاویل یا توجیح کر کے انسان اپنے آپ کو دھوکا نہ دے بلکہ عقل کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے جس نیکی کا حکم دوسروں کو دے رہا ہے خود بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے، اسی طرح ہر وہ بات جو خلاف واقعہ اور زمان ومکان کے اعتبار سے محال ہو اس پر اصرار کرنے والوں کو بھی قرآن نے عقل کے استعمال کا مشورہ دیا ہے مثلاً سورۃ آل عمرآن میں ارشاد ہوا کہ:

﴿ يـا اهـل الـكـتـاب لم تـحآجون فى ابراهيم وما أنزلت التوراة والانجيل الامن بعد أفلا تعقلون ☆ سورة آل عمران ٦٥﴾

یعنی ''اے اہل کتاب ابراھیم علیہ السلام کے (مذہب کے) بارے میں تم کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ توریت اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں ہیں کیا تم عقل نہیں رکھتے'' یہاں اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کے اس تنازع کے تذکرہ کر رہا ہے جس میں دونوں فریق یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراھیم علیہ السلام ان کے مذہب پر تھے حالانکہ یہودیت اور عیسائیت جن آسمانی کتابوں کے بعد قائم ہوئی وہ ابراھیم علیہ السلام کے بعد ہیں اسلئے ایسی بات محض بے عقلی کے سوا کچھ نہیں اس لئے قرآن اسکی مذمت کر رہا ہے یعنی عقل کو استعمال کرنے کی دعوت قرآن کی تشریح یا احکامات وحدود اللہ سے متعلق آیات کے ضمن میں پورے قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے بلکہ اسکی تشریح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال واعمال کے ذریعہ خود فرمائی ہے جسکی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ☆ ثم ان علینا بیانه ☆سورۃ القیامة ١٨، ١٩ ﴾

یعنی ''جب ہم پڑھائیں تو ہمارے پڑھانے کی طرح پڑھو، پھر اسکی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے'' اس لئے وہ لوگ جو قرآن کی تشریح عقل، فلسفہ اور منطق کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں وہ بلا مبالغہ ایک بڑی گمراہی پر ہیں البتہ سورۃ بقرۃ کی ایک آیت ہے جہاں کسی کو اس قسم کا اشکال ہوسکتا ہے اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:

﴿ یسألونک عن الخمر والمیسر قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس واثمهما أکبر من نفعهما ویسألونک ماذا ینفقون قل العفو کذالک یبین الله لکم الآیات لعلکم تتفکرون ☆ سورۃ البقرۃ ٢١٩ ﴾

یعنی ''یہ لوگ جوئے اور شراب کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجئے یہ بڑے گناہ ہیں اور اس میں لوگوں کو کچھ منفعت بھی ہے لیکن ان کا گناہ انکے نفع سے کہیں بڑھکر ہے اور وہ لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے کہ وہ سب جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے، اس طرح ہم اپنی آیات کو کھول کر بیان کردیتے ہیں تا کہ یہ لوگ غور وفکر کریں'' یہاں اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب اور جوئے کے ممانعت کی حکمت بیان کی ہے اور اسکے بالمقابل صدقہ کا حکم دیا ہے تا کہ لوگ ان معاملات میں تھوڑے اور ظاہری فائدے کو نہ دیکھیں بلکہ اسکے گناہ اور نقصان کو مدنظر رکھیں جو نفع کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور اس کے بعد غور فکر کی دعوت اس لئے دی گئی ہے تا کہ لوگ دین کے باقی احکامات پر بھی یہ یقین رکھتے ہوئے عمل کریں کہ ان سب احکامات کی کوئی نہ کوئی وجہ اور حکمت ضرور ہے اگر چہ ہم جانتے نہ ہوں اور اس جانب اشارہ بھی ہے کہ جو لوگ ان احکامات پر غور فکر کریں گے ان کو اس میں سے بعض احکامات کی حکمت معلوم بھی ہو جائے گی لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان احکامات پر عمل کرنا سب کے لئے فرض ہے مگر انکی حکمت کو جاننا ہر ایک پر فرض نہیں کیونکہ یہاں لفظ ''لعلکم'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں شاید کہ تم، امید ہے کہ تم یا توقع ہے کہ تم غور وفکر کرو گے لیکن منکرین حدیث کے سرخیل جناب پرویز صاحب نے صرف اسی کو علم قرار دیتے ہوئے ان تمام علماء کرام کو جاہل اور کتابیں ڈھونے والا گدھا قرار دیا ہے جو تمام کتابوں کو بلائے طاق رکھ کر صرف عقل کی مدد سے قرآن کی تشریح نہیں کرتے حالانکہ لفظ ''علم'' کے معنی ہی ''جاننا'' ہیں اور علامہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا مطلب ہے بہت زیادہ جاننے والا یعنی عالم دین اسی شخص کو کہا جائیگا جو قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کے بارے میں گذشتہ اہل علم کے اقوال کو جانتا ہو کیونکہ صراط مستقیم مشروط ہے ان لوگوں اقوال ،افعال و اعمال کے استفادہ سے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا وہ قرآن کریم کے حوالے سے انبیاء ،صدیقین ،شہداء اور صالحین ہیں اگر بقول پرویز صاحب ہدایت اور علمیت مشروط ہے عقل سے تو پھر قرآن میں فلسفی ،مفکر ،مدبر اور علم منطق کے ماہر افراد کے راستے کو صراط مستقیم ہونا چاہیے تھا جبکہ ایسا نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ منکرین حدیث حضرات صرف حدیث کے منکر نہیں بلکہ علوم اور حصول علم کے طریقوں کے بھی منکر ہیں ورنہ پرویز صاحب علماء کرام کے متعلق حوالہ جات کی فہرست و رمحض حافظ جیسے الفاظ استعمال کر کے اہل علم سے بدظن نہ کرتے اور اب اسکا نتیجہ یہ ہے کہ منکرین حدیث کے پیروکار حضرات اپنے گھر میں کبھی کوئی قرآن کی تفسیر یا حدیث کی کتاب یا اسکی شرح نہیں رکھتے انجام کار جو پرویز صاحب نے کہا یا پرویز صاحب کی روحانی اولاد آج کہہ رہی ہے اسکی تصدیق یا تردید کا کوئی بھی ذریعہ ان کے متبعین کے پاس نہیں ہے اس طرح بے علمی کے ساتھ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

منکرین حدیث کی ایک چھٹی شناختی علامت بھی ہے جو صرف ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو انکار حدیث کے ضمن میں انتہاء درجہ پر نہیں بلکہ انکار و اقرار کی درمیانی کیفیت پر ہیں ایسے لوگ محدثین کے وضع کردہ اصولوں سے ناواقفیت کے باعث بعض احادیث یا بعض احادیث کی اقسام کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے مثلاً قریشی صاحب اپنے آپ کو منکر حدیث تسلیم نہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ اعطیو اللہ سے مراد اللہ کے احکام کی پابندی کرنا اور اعطیو الرسول سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور احادیث پر عمل ہے ،لہذا جہاں قال اللہ تعالیٰ کا لفظ آئے وہ قرآنی آیت ہوگی اور جہاں قال الرسول ﷺ آئے وہ حدیث نبوی ہوگی ﴾

یہاں قریشی صاحب نے قرآنی آیت اور حدیث رسول ﷺ کی جو تعریف کی ہے وہ قطعی طور پر نامکمل اور غلط ہے کیونکہ تمام اہل علم کے نزدیک حدیث صرف قول رسول ﷺ کا نام نہیں بلکہ حدیث اقوال کے علاوہ اعمال و افعال اور تقریر رسول ﷺ کو بھی کہا جاتا ہے یہاں تقریر سے مراد وہ افعال و اعمال ہیں جو نبی کریم ﷺ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے صحابہ کرام سے سرزد ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان پر تنبیہ نہیں کی بلکہ ان کو برقرار رکھا مزید برآں صحابہ کرام کے اقول واعمال کو بھی حدیث کہا جاتا ہے اور اسکے لئے حدیث موقوف کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اسی طرح ہر وہ بات جو قال اللہ تعالیٰ سے شروع ہوتی ہے ہمیشہ قرآنی آیت نہیں ہوتی بلکہ احادیث میں بھی قال اللہ تعالیٰ کے الفاظ اکثر آتے ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو حدیث قدسی کہا جاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کی ایک اہم شناختی علامت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ علم حدیث کے ضمن میں محدثین کی وضع کردہ بیشتر اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں۔

حصہ اول پر ضمنی اعتراضات کے جوابات:

قرشی صاحب نے اپنے پہلے رسالے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کو نشانہ تنقید بنایا تھا اور اب دوسرے رسالے میں بھی صحیح بخاری کی ایک حدیث پر طعن کی ہے یعنی قرشی صاحب نے منکرین حدیث کے راستے پر قدم بقدم آگے بڑھنا شروع کر دیا ہے انھوں نے اس مذکورہ حدیث کے الفاظ یہ نقل کئے ہیں:

﴿ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو ام رومان میری ماں کے پاس آئیں اور مجھکو دن کے وقت آنحضرت ﷺ کے گھر لے گئیں میں اس وقت ڈر گئی جب ایکا یکی آنحضرت ﷺ میرے پاس آگئے اور مجھ سے صحبت کی ☆ بحوالہ صحیح بخاری ترجمہ علامہ وحیدالزماں ﴾

اس حدیث کو نقل کر کے قرشی صاحب نے اسے ہشام بن عروہ کا قول قرار دے کر رد کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کی شان رسالت پر حرف آتا ہے کیونکہ اس میں ایک ڈری سہمی ہوئی لڑکی سے نبی کریم ﷺ کے صحبت کرنے کا ذکر ہے حالانکہ اس حدیث کے جو اصل عربی الفاظ ہیں ان میں ایسا کوئی تاثر نہیں پایا جاتا جس قسم کا تاثر قرشی صاحب نے وحیدالزماں کے ترجمہ کو نقل کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:

﴿ حدثنی فروۃ بن المغراء حدثنا علی بن مسھر عن ھشام عن ابیہ عن

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائشۃؓ قالت تزوجنی النبی ﷺ فاتتنی امی فادخلتنی الدار فلم یرعنی الا رسول اللہ ﷺ ضحی ☆صحیح بخاری کتاب النکاح ﴾

یہاں اصل عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا ترجمہ ڈر یا خوف کیا جا سکے دراصل یہاں علامہ وحید الزماں نے تعجب کے لفظ کے بجائے ڈر ترجمہ لکھ دیا ہے جو مترجم علامہ وحید الزماں کی ایک خطاء ہے لیکن قرشی صاحب نے صحیح بخاری کی اصل عبارت کو پڑھ کر خود ترجمہ کرنے کی زحمت کئے بغیر صحیح بخاری کی مرفوع حدیث کو ہشام بن عروہ کا قول قرار دے کر بلا سوچے سمجھے رد کر دیا ہے حالانکہ تراجم میں اس قسم کی غلطیاں ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں ہے مثلاً قرآن میں متعدد مقامات پر لفظ تقویٰ استعمال ہوتا ہے جس کا اردو ترجمہ اکثر و بیشتر ڈر کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہ اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں ہے اسی طرح کی ایک مثال ہم قرشی صاحب کی عبارت سے بھی پیش کرتے ہیں جس میں وہ صحابہ کرام کی احادیث کی جانب احتیاط کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ امیر معاویہؓ نے فرمایا لوگوان کی احادیث کو قبول کرو جو عمر فاروقؓ کے زمانے کی ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے احادیث کے بیان کرنے میں عمرؓ نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا تھا ☆بحوالہ تذکرۃ الحفاظ ﴾

قرشی صاحب کی نقل کردہ اس عبارت سے شیعہ اور احادیث کا انکار کرنے والوں کے لئے اہل سنت کی احادیث کو رد کرنے قوی دلیل فراہم ہوسکتی ہے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جتنی بھی احادیث ہیں یہ معاذ اللہ عمر فاروقؓ نے ڈرا دھمکا کر زور زبردستی سے لکھوائی ہیں پس کسی عبارت کا محض ترجمہ دیکھ کر اسکے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا علمیت نہیں بلکہ جہالت کی دلیل ہوا کرتی ہے۔

اسی رسالے کے حصہ اول میں ہشام بن عروہ کی روایت کردہ حدیث پر قرشی صاحب کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے مولانا عطاء اللہ صاحب نے متعدد دیگر روایوں کی احادیث نقل کی ہیں جو ہشام کی حدیث کی تائید کرتی ہیں اسکا جواب دیتے ہوئے قرشی صاحب نے لکھا ہے کہ:

﴿ یہاں ایک ہی قول ذرا الفاظ کے الٹ پھیر یا زیادتی اور کمی یا کسی راوی کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے الگ الگ (حدیثوں کی) صورت میں سامنے آ رہا ہے پھر اس قول کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الگ الگ راویوں کے ذریعہ بیان کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا﴾

قریشی صاحب نے ہشام والی روایت کو یہ کہہ کر رد کیا تھا کہ اس کے راوی صرف کوفی ہیں اور تمام راویوں نے یہ روایت ہشام سے لی ہے نیز ہشام بن عروہ کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اس حدیث کو بیان نہیں کرتا اور ہشام بن عروہ کا حافظہ عراق جانے کے بعد خراب ہوگیا تھا اسلئے یہ روایت قابل قبول نہیں ہے قریشی صاحب کے اس اعتراض کے جواب میں یہی روایت غیر کوفی راویوں کے حوالے سے بیان کی گئی اور یہی روایت ایسی اسناد سے بھی بیان کی گئی جن میں ہشام بن عروہ بھی شامل نہیں تھے اسکے باوجود قریشی صاحب کا اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنا اور ڈھٹائی کیساتھ یہ کہنا کہ ''ایک ہی قول الگ الگ راویوں کے ذریعہ بیان کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا'' نری جہالت کے سوا کچھ نہیں کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں محض رواۃ کے بدلنے سے حدیث بھی بدل جاتی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے کسی ایک ہی قول یا فعل کا تذکرہ جب بھی کسی نئی سند کے ساتھ سامنے آتا ہے تو ایک علیحدہ اور مستقل حدیث کی حیثیت اختیار کرتا ہے یہاں عجیب بات یہ ہے کہ قریشی صاحب نے اپنے بیان میں بقلم خود دیگر اسناد سے وارد ہونے والی روایات کے بارے میں لکھا ہے کہ ''کسی راوی کے آگے پیچھے ہونے سے الگ الگ (حدیثوں کی) صورت میں سامنے آرہا ہے'' یعنی حدیث تسلیم کیا ہے اسکے بعد اگلی سطر میں حدیث ماننے سے انکار بھی کیا ہے ہمارے نزدیک اس قسم کے اعتراض کو اعتراض کے بجائے دماغ کا فتور ہی کہا جاسکتا ہے اور اسی نوعیت کا ایک اعتراض قریشی صاحب نے یہ بھی کیا ہے کہ:

﴿ہشام بن عروہ امام مالکؒ کے استادوں میں تھے اسکے باوجود امام مالک نے اپنے استاد کے قول ''عمر عائشہؓ'' کو اپنی کتاب میں جگہ دینا مناسب ہی نہیں سمجھا اس کی وجہ کیا یہ نہیں کہ اس قول کی صحت کا امام مالکؒ کو یقین نہیں تھا﴾

یہاں قریشی صاحب کے اس اعتراض کی حیثیت محض ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سے زیادہ نہیں کیونکہ یہ کوئی لازمی اور ضروری نہیں کہ ایک محدث اپنے استاد سے سنی ہوئی ہر حدیث کو اپنی کتاب میں درج کرے گا اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ایک استاد کی تمام کی تمام احادیث لازمی طور پر اسکے شاگرد تک پہنچیں گی نیز معلوم ہونا چاہیے کہ صرف ہشام بن عروہؒ ہی امام مالکؒ کے استاد نہیں تھے بلکہ امام مالکؒ کے اساتذہ میں کئی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور نام بھی آتے ہیں مثلاً ابوالزناد عبداللہ بن زکوان ، یحییٰ بن سعید الانصاری ،عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم مولیٰ عمر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم ،سعید بن ابی سعید المقبری اور سمی مولیٰ ابی بکر وغیرہ اوران میں سے کسی کی بھی تمام کی تمام صحیح احادیث کوامام مالک نے اپنی مؤطا میں شامل نہیں کیا بلکہ انکے اپنے کچھ معیار اوراصول ہیں جن کی بنیاد پر انھوں نے احادیث کواپنی کتاب میں داخل کیا ہے اسلئے یہ کہنا کہ امام مالکؒ نے جو حدیث مؤطا میں داخل نہیں کی وہ لازمی طور پر غیر صحیح ہوگی اسی طرح غلط ہے جس طرح کوئی یہ کہے کہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے جواحادیث اپنی کتب میں داخل کیں ہیں صرف وہی صحیح ہیں اور انکے علاوہ روئے زمین پر کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے جبکہ مؤطا میں امام مالکؒ نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں، کتب احادیث میں ہشام بن عروہؒ سے احادیث کی ایک بہت بڑی تعداد مروی ہے جس کا عشر عشیر بھی مؤطا میں موجود نہیں مثلاً جب ہم نے صرف مشہور اور مستند احادیث کی کتابوں جیسا کہ بخاری ،مسلم ،ترمذی ،نسائی ،ابن ماجہ ،مسند احمد ،دارمی ،مؤطا مالک اور ابوداؤد میں ہشام بن عروہ کی احادیث کوشمار کیا توان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو چوراسی (۱۵۸۴) تک پہنچ گئی جبکہ مؤطا مالک میں امام مالکؒ نے جو احادیث ہشام بن عروہ سے روایت کی ہیں انکی تعداد صرف ایک سو اکیس (۱۲۱) ہے، یہاں اگر ہم قرشی صاحب کے بیان کردہ اصول کے مطابق ہشام کی صرف وہی احادیث قبول کریں جوامام مالکؒ نے روایت کی ہیں تو ہم ہشام کی اکثر احادیث سے محروم ہوجائیں گے مذید برآں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ امام مالکؒ اکیلے ہشام بن عروہؒ کے شاگرد نہیں ہیں بلکہ ہشام بن عروہ کے شاگردوں کی تعداد ایک سو چونتیس (۱۳۴) کے قریب بیان کی جاتی ہے جن میں سے ایک امام مالکؒ بھی ہیں اور کوئی ضروری نہیں کہ ہشام کی ہر حدیث ہر شاگرد کو ملی ہو بلکہ مؤطا مالک کو بغور دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ ہشام بن عروہؒ سے بہت کم احادیث سماعت کر پائے ہیں کیونکہ مؤطا کے اکثر ابواب ہشام بن عروہؒ کی احادیث سے یکسر خالی ہیں اور انہیں میں سے سے کتاب النکاح بھی ہے جہاں ہشام کی کوئی ایک حدیث بھی امام مالکؒ نے نقل نہیں کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس باب میں امام مالکؒ کو ہشام کی کوئی بھی حدیث نہیں ملی یعنی یہ کہنا کہ امام مالکؒ نے بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث قصداً نقل نہیں کی اس صورت میں کسی حد تک صحیح ہوسکتا تھا جب اس باب

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تحت وہ ہشام کی کوئی بھی دوسری حدیث لائے ہوتے اور اس حدیث کو ترک کیا ہوتا اس لئے قرشی صاحب کے اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے کہ جسکی بنیاد پر بی بی عائشہؓ کے نکاح والی روایت پر کوئی شک بھی کیا جا سکے بلکہ اگر شک کیا بھی جا سکتا ہے تو ایسا اعتراض کرنے والے کی علمی حیثیت پر کیا جا سکتا ہے یا پھر اسکے اہل حدیث ہونے پر کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث کو محض قیاسات سے رد کرنا کسی اہل حدیث کی شان ہرگز نہیں ہو سکتی مگر قرشی صاحب منکر حدیث کہنے پر بہت ہی زیادہ بھڑک جاتے ہیں اور جھنجلاہٹ میں بعض ایسی باتیں بھی لکھ جاتے ہیں جو ان کا دفاع کرنے کے بجائے انہیں منکرین حدیث کی صف میں کھڑا کر دینے کے لئے بطور ثبوت کافی ہیں مثال کے طور پر قرشی صاحب کا یہ بیان ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں کہ:

﴿ آپ (مولانا عطاء اللہ ڈیروی) ہشام بن عروہ کے قول کو بار بار حدیث فرما کر انکار حدیث کی شکل پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آج کل لوگ عملاً منکر حدیث بنے ہوئے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیر محرم عورت پر نظر پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ اسکی طرف نہ دیکھو مگر آج کل جو باہر جاتے ہی اس لئے ہیں کہ نظر بازی کی جائے بلکہ اکثر مولوی صاحبان کو بھی دیکھا گیا ہے کہ غیر عورت کے بناؤ سنگھار کو دیکھ کر اس پر لعنت ملامت بھی کرتے ہیں مگر نظر بار بار اٹھا کر دیکھ بھی لیتے ہیں، ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو کسی نہ کسی حدیث سے متعلق دی جا سکتی ہیں جبکہ بعض مسائل تو ایسے ہیں کہ صاف اور صریح حدیث ہوتے ہوئے بھی اس میں اختلاف ہے مثلاً فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے روایوں نے فاتحہ کا پڑھنا قولاً اور فعلاً رسول اللہ ﷺ سے منسوب کیا ہے، اہل حدیث اور بعض دوسرے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوتی جبکہ حنفیہ اور بعض دوسرے اس حدیث سے انکار کرتے ہیں اور امام کی قرأت کو کافی قرار دیتے ہیں اس طرح دنیا میں کروڑہا مسلمان جو خلف الامام سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے کیا یہ سب منکر حدیث ہوئے اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں جو اختلافی شکل بنے ہوئے ہیں ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریشی صاحب کا یہ مذکورہ بیان انکی سطحی ذہنیت کی مکمل عکاسی کرتا ہے جو تمام منکرین حدیث کا خاصہ ہے، یہاں سب سے پہلے جس چیز کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث ہشام بن عروہ کا قول نہیں بلکہ اسکی سند بی بی عائشہؓ تک گئی ہے اور بی بی عائشہؓ نے اسمیں نبی کریم ﷺ کا ایک عمل بیان کیا ہے گویا یہ حدیث مرفوع متصل ہے یعنی اسکی سند نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہے اور اسکے تمام روای ثقہ ہیں اس لئے اس حدیث کو کسی دوسرے کا قول کہنے والا شخص دھوکے باز ہوسکتا ہے یا جاہل ورنہ ایسی غلط بات منہ سے نکالنا کم از کم کسی اہل علم کے لئے ممکن نہیں ہے اسکے بعد قریشی صاحب نے جس چیز کو عملی انکار حدیث گردانا ہے اور اسمیں مولوی صاحبان کو بھی بطور خاص مطعون کیا ہے اسے معصیت ، گناہ اور نافرمانی تو کہا جاسکتا ہے مگر انکار حدیث کسی طور نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کسی بھی شخص کو منکر حدیث یا منکر قرآن اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب وہ قرآن یا کسی صحیح حدیث میں آنے والی بات کو یہ کہہ کر مسترد کردے کہ یہ قرآن کی آیت ہی نہیں یا یہ صحیح حدیث قطعی طور پر حدیث ہی نہیں ہے مثلاً کوئی شخص شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور زنا کرتا ہے تو کیا ایسے شخص پر منکر قرآن وحدیث کا فتویٰ دیا جائے گا؟ ظاہر ہے نہیں! بلکہ اس پر شرعی حد جاری کی جائے گی اور سزا دی جائے گی جبکہ ایک شخص جو نہ شراب پیتا ہے نہ جوا کھیلتا ہے اور نہ زنا کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ قرآن میں جو شراب، جوئے اور زنا سے متعلق آیات ہیں وہ قرآن کی آیات ہیں ہی نہیں یا اس سلسلہ میں جو احادیث ہیں وہ احادیث نہیں بلکہ بعد والے روایوں کے اپنے اقوال ہیں تب ایسے شخص پر منکر حدیث ومنکر قرآن ہونے کا حکم لگایا جائیگا یعنی کسی حکم کی معصیت سے اس حکم کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ انکار اس وقت لازم آتا ہے جب کسی حکم کو اسکی اصل حیثیت سے پھیر دیا جائے جس طرح قریشی صاحب نے ایک صحیح اور مرفوع حدیث کو غیر صحیح اور غیر مرفوع قرار دے کر اسے اسکی اصل سے پھیر دیا ہے اور قریشی صاحب کی دوسر مثال بھی اسی نوعیت سے تعلق رکھتی ہے جس میں انھوں نے حنفیہ کو خلف الامام سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے پر منکر حدیث قرار نہیں دیئے جانے کو بطور دلیل ذکر کیا ہے اس ضمن میں سچ یہ ہے کہ موجودہ دور میں فتنہ انکار حدیث کے اصل مؤسس وبانی ویسے تو احناف ہی ہیں کیونکہ اپنے مذہب کو بچانے کے لئے ان لوگوں نے ایسے اصول وضع کئے ہیں جن سے ہر وہ حدیث جو حنفی مسلک کے خلاف ہو با آسانی رد کی جاسکے جس کے باعث حنفی عوام

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الناس کے دل و دماغ میں احادیث کے خلاف وہ عداوت اور نفرت پیدا ہوئی جس نے آگے چل کر انکار حدیث کی شکل اختیار کی مگر اسکے باوجود ہم حنفیہ کا شمار منکرین حدیث میں کرنا صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ ان لوگوں نے کبھی کسی صحیح حدیث کو تسلیم کرنے سے کھلم کھلا انکار نہیں کیا بلکہ کبھی غلط تاویل سے، کبھی کسی خاص حکم عام شمار کر کے اور کبھی عام کو خاص شمار کر کے، کبھی کسی صحابی کو غیر فقیہ شمار کر کے اور کبھی کسی روای پر اسماء رجال کے ماہرین میں سے کسی کی تنقید کا فائدہ اٹھا کر اپنا مطلب حاصل کیا ہے لیکن کبھی کسی متفق علیہ حدیث کو غیر صحیح ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ منکرین حدیث کی طرح علم سے کورے نہیں تھے یعنی احناف کے اسلاف خواہ متعصب ہی صحیح لیکن بہرحال اہل علم ضرور تھے البتہ موجودہ حنفی علماء کی جانب سے کچھ چیزیں ایسی سننے میں آرہی ہیں جو آج نہیں تو کل احناف کو منکرین حدیث کی صف میں ضرور کھڑا کر دیں گی اور فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں بھی احناف کے اسلاف نے وہی کچھ کیا ہے جس کا حوالہ ابھی ہم نے دیا ہے یعنی اس ضمن میں احناف کا کہنا یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی احادیث صحیح ہیں مگر اس سے مراد مقتدی نہیں بلکہ امام اور منفرد ہیں یعنی اختلافی مسائل کی بنیاد پر احناف کو منکر حدیث نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسکے لئے دوسرا طریقہ ہے جس میں ان کے دجل وفریب کا قرآن وحدیث کی روشنی میں پردہ فاش کیا جاتا ہے اوران کے غلط استدلال کا منہ توڑ جواب دیا جاتا ہے اس لئے قریشی صاحب کا احناف کو آڑ بنا کر اپنے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرنا محض کج فہمی کے سوا کچھ نہیں لیکن ہم قریشی صاحب کی کم مائیگی کا شکوہ کہاں کہاں کریں یہاں تو پورا دفتر موجود ہے حتیٰ کہ دین اسلام کی بنیادی اصطلاحات کی تشریحات میں بھی قریشی صاحب نے ٹھوکر کھائی ہے مثال کے طور پر سنت رسول ﷺ کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿مولانا آپ کا یہ کہنا بھی تعجب خیز ہے کہ کسی سنت کے لئے ہرگز یہ شرط نہیں کہ مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہو تو سنت ہو ورنہ نہیں، یعنی کہ سنت کی پابندی نہ کر کے بھی ہم اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکتے ہیں اس طرح تو ہم اسلام کی بہت سی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنے آپ میں مسلمان ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، شائد آپ آج کل کے معاشرے اور اسلامی اصولوں کی پامالی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں لیکن میں تو سمجھتا کہ سنت پر عمل کرنا ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان کے لئے ضروری ہے اور سنت اسی وقت پہچانی جائے گی جب اس پر عمل کیا جائے گا ﴾

نابالغ لڑکی کی شادی کے ضمن میں قریشی صاحب نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ چونکہ مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس میں کسی لڑکی کی شادی نو سال کی عمر میں ہوئی ہو چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بی بی عائشہؓ سے شادی اس وقت کی ہو جب بی بی کی عمر صرف نو سال تھی ورنہ امت مسلمہ اس سنت نبوی ﷺ پر ضرور عمل کرتی اب چونکہ امت نے عمل نہیں کیا اس لئے چناچہ یہ عمل سنت نبوی ﷺ ہونا ناممکن ہے اس پر مولانا صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ کسی بھی سنت پر اگر امت نے عمل نہ کیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل سنت ہو ہی نہیں یعنی خواہ امت میں سے کسی کا عمل کرنا ثابت ہو یا نہ ہو سنت بہر حال سنت ہی رہے گی اس بیان سے غالباً قریشی صاحب نے یہ سمجھا کہ واقعی چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کسی نے بھی نو سالہ لڑکی سے شادی نہیں کی اس لئے انھوں نے سنت کی اہمیت پر ایک اچھا خاصہ نوٹ لکھ ڈالا جس کا ایک اقتباس ہم نے سطور بالا میں پیش کیا ہے اس کا جواب دینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نو سالہ لڑکی کے نکاح کا ایک تاریخی حوالہ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیں تا کہ منکرین حدیث کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو جائے کہ ایسا اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اور قریشی صاحب پر حجت بھی پوری ہو جائے، علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ:

﴿ عن عبادبن عباد المهلبی قال ادركت فيا امرأة صارت جدة وهی بنت ثمانی عشرة سنة اولدت لتسع سنين ابنة فولدت ابنتها لتسع سنين ابنة ☆التحقيق لابن الجوزی ص٣٢٧ ج٨، سنن دارقطنی ص٣٢٣ج٣ ﴾

یعنی "عباد بن عباد المہلی سے روایت ہے کہ ایک لڑکی اٹھارہ سال کی عمر میں نانی بن گئی یہ اس طرح ہوا کہ اس نے نو سال کی عمر میں ایک لڑکی کو جنم دیا اور اسکی لڑکی نے بھی شادی کے بعد نو سال کی عمر میں ہی ایک لڑکی کو جنم دیا" اسی طرح امام سرخسی نے "المبسوط" میں باب النکاح صغیر وصغیرہ کے تحت کم سن لڑکی کی شادی کے مسئلہ پر ایک طویل بحث کی ہے اور سورۃ النساء کی مندرجہ ذیل آیت جس سے منکرین حدیث شادی کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے بلوغت کی شرط پر استدلال کرتے ہیں:

﴿ وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح ﴾

یعنی ''یتیموں کی آزمائش کرلو جب وہ شادی کی عمر کو پہنچیں'' کے تحت لکھا ہے کہ یہ حکم یتیموں کے لئے خاص ہے یعنی اگر اس آیت سے اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ شادی کیلئے بلوغت شرط ہے تو اس صورت میں اس کا اطلاق صرف یتیموں پر ہوگا کیونکہ یتیم کا ولی یتیم بچے یا بچی کے معاملے میں اتنا مخلص نہیں ہوسکتا جتنا ایک باپ اپنی سگی اولاد کے سلسلہ میں ہوتا ہے یعنی یتیم کا ولی اسکے معاملات کا اس وقت تک نگران ہے جب تک وہ بالغ نہیں ہوجاتا اور بالغ ہونے کے بعد وہ یتیم نہیں رہتا اس لئے خود مختار ہوجاتا ہے جبکہ باپ اپنی کم سن اولاد کے معاملات کا صرف نگران نہیں بلکہ مختار بھی ہے اور بلوغت کے بعد بھی اسکے کچھ حقوق و فرائض ہیں غالباً یہی وجہ ہے امام بخاری نے کم سنی کی عمر میں شادی کی اجازت پر صحیح بخاری میں جو باب قائم کیا ہے اسکے عنوان میں ولی کا لفظ نہیں لائے بلکہ یوں کہا کہ ''باب اس بات پر کہ باپ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے'' یعنی اگر سورۃ النساء کی آیت میں نکاح کا معنی جماع کے بجائے عقد یا خطبہ نکاح کیا جائے تب بھی یہ آیت بی بی عائشہؓ کے کم سنی میں واقع ہونے والے نکاح کے خلاف نہیں پڑتی کیونکہ ان کا نکاح ان کے والد ابوبکر صدیقؓ نے منعقد کیا تھا اور اس سنت نبوی ﷺ پر عمل کئے جانے کی ایک تاریخی شہادت سطور بالا میں پیش کی جاچکی ہے اور اسی سے ملتی جلتی دوسری شہادت امام سرخسی نے بھی المبسوط میں پیش کی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں:

﴿ وکان لأبی مطیع البلخی ابنة صارت جدة وھی بنت تسعة عشرة سنة حتی قال فضحتنا ھذہ الجاریة ومن مشایخنا من قدر ذلک بسبع سنین لقولہ ﷺ مروھم بالصلاۃ اذا بلغوا سبعاً والأمر حقیقة للوجوب وذلک بعد البلوغ ﴾

یعنی ''ابو مطیع البلخی نے بیان کیا کہ ایک لڑکی نانی بن گئی جبکہ وہ صرف انیس (۱۹) سال کی تھی اسکی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ لڑکی ایک لونڈی تھی جو ہمارے شیخ کے پاس سات (۷) سال کی عمر میں آئی تھی چونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور حکم دلالت کرتا ہے وجوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر اور کوئی بھی حکم بلوغت کے بعد واجب ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح والی سنت ایسی نہیں کہ جس پر امت اسلامیہ میں کبھی عمل نہ ہوا ہو باقی رہا یہ معاملہ کہ امت مسلمہ کا ہر سنت پر عمل کر ضروری ہے ایک غلط بات ہے جو محض واعظ مولویوں کا قول ہے جس سے اہل علم اور فقہاء امت نے قطعی طور پر اتفاق نہیں کیا بلکہ سنت رسول ﷺ کو تین اقسام پر بیان کیا ہے اولاً سنت عادات و حاجات مثلاً کھانے میں نبی کریم ﷺ کو کدو پسند ہونا یا دستی کا گوشت مرغوب ہونا اسی طرح گوہ کے گوشت کو نا پسند کرنا یا حاجات ضروریہ کے لئے کسی مقام پر بیٹھنا یا کسی بات کو سمجھانے کی خاطر تین مرتبہ دہرانا، ہر وقت طہارت کاملہ کا اہتمام رکھنا حتیٰ کہ سلام کا جواب دینے کے لئے بھی طہارت حاصل کرنا اور نیکی کا کوئی کام شروع کرنے کے بعد کبھی ترک نہ کرنا وغیرہ اس طرح کی سنتوں پر عمل کرنا مسلمانوں پر ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے یعنی کوئی کرنا چاہے تو اچھی بات ہے ورنہ کوئی پابندی نہیں ہے، ثانیاً سنت خصوصی یعنی وہ سنتیں جن پر نبی کریم ﷺ نے عمل کیا ہے لیکن امت کیلئے ان پر عمل کرنا ممنوع ہے جیسا کہ چار سے زائد شادیاں کرنا، صوم وصال کرنا، قرض دار اور منافق کی نماز جنازہ ادا کرنے سے رک جانا اور نبی کریم ﷺ کی ازاوج کا امت پر ابداً حرام ہونا وغیرہ یہ تمام ایسی سنتیں ہیں جن پر عمل کرنا امت لئے جائز نہیں ہے، ثالثاً سنت شریعت یعنی وہ تمام سنتیں جن کا تعلق دین اور شریعت سے ہے ان پر عمل کرنا تمام امت مسلمہ کیلئے واجب ہے اسمیں وہ تمام سنتیں شامل ہیں جن پر نبی کریم ﷺ نے عمل کر کے دکھایا اور امت کو بھی ان امور کے ادا کرنے کا حکم دیا یا ان امور کے کرنے کو پسند فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ہر سنت پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے واجب یا ضروری نہیں بلکہ صرف ان ہی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے جو شریعت کے منشاء کے مطابق ہر مسلمان کے لئے واجب العمل ہیں جبکہ بی بی عائشہؓ کے نکاح سے متعلق حدیث میں ایسا کچھ بھی مذکور نہیں جس سے یہ سنت تمام مسلمانوں پر لاگو ہوتی ہو بلکہ اسکا تعلق محض بوقت ضرورت جواز سے ہے اسلئے قریشی صاحب کا یہ کہنا کہ ''ہر سنت پر عمل کرنا امت مسلمہ کے لئے ضروری ہے اور سنت اسی وقت سنت سمجھی جائے گی جب اس پر عمل ہوگا'' محض خام خیالی اور ان کی اپنی ذاتی سوچ ہے پس مولانا عطاء اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ ''کسی سنت کے لئے ہرگز یہ شرط نہیں کہ مسلمانوں اس پر عمل کیا ہو تو سنت کہلائے ورنہ نہیں'' قطعی طور پر درست اور صحیح ہے یعنی مسلمانوں کے لئے ہر سنت نبوی پر عمل

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا واجب اور ضروری نہیں البتہ ہر صحیح اور معمول بہ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ سنت کبھی متروک بھی ہوتی ہے مثلاً نماز میں نبی کریم ﷺ کا کچھ مدت کیلئے قنوت نازلہ پڑھنا پھر ترک کر دینا وغیرہ متروک سنت ہیں اور کبھی سنت منسوخ بھی ہوتی ہے مثلاً نماز میں حالت رکوع ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان میں رکھنا جسے عرف عام میں تطبیق کہا جاتا ہے سنت نبوی تھی مگر بعد میں آپ ﷺ نے اسے ترک کر کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کو اختیار کیا اس طرح تطبیق منسوخ سنت کہلائی اسی طرح بعد از ہجرت مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کچھ مدت تک آپ ﷺ کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا سنت تھا مگر پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور قرآن نے آپ ﷺ اور امت مسلمہ کو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا اور کبھی سنت خصوصی بھی ہوتی ہے جس کا بیان سطور بالا میں گذر چکا ہے مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ اہل سنت کا لقب اختیار کرنا غلط ہے بلکہ درحقیقت اہل سنت کا لقب ہمارے اسلاف نے شیعہ اور خوارج کے مقابلے میں اختیار کیا تھا لیکن آج کے دور میں تقلید جامد آ جانے کے بعد اور خاص طور اس دور میں اہل بدعت کا اپنے لئے اہل سنت والجماعت کا لقب اختیار کر لینے کے بعد اہل حق کا اپنے آپ کو اہل سنت کے بجائے اہل حدیث کہلانا زیادہ موزوں اور صحیح ہے کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ حدیث اللہ یعنی قرآن وحدیث قدسی، حدیث مرفوع یعنی نبی کریم ﷺ کے قول، فعل، تقریر اور صفت، حدیث موقوف یعنی صحابہ کرام کے قول، فعل اور تقریر سے متعلق تمام صحیح اور ثابت شدہ باتوں کو ماننا اور معمول بہ ہونے کی صورت میں ان پر عمل کرتا ہے۔

کیا بی بی عائشہ صدیقہؓ کا نکاح قرآنی آیت کی عملی تفسیر نہیں؟:

حصہ اول پر اٹھائے گئے ضمنی اعتراضات کے جوابات کے بعد اب ہم اس اصل اعتراض کی طرف آتے ہیں جو قریشی صاحب نے بی بی عائشہؓ کے نکاح پر بڑے وثوق کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس اپنے جوابی رسالے کا عنوان بنایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

کیا ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح قرآنی آیت کی عملی تفسیر ہے؟

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''پندرہ سو سال بعد آیت قرآنی کی نئی تشریح''

اس رسالے میں قرشی صاحب نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ سورۃ طلاق کی آیت ''واللائی لم یحضن'' مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ نبی کریم ﷺ کا بی بی عائشہؓ کے ساتھ نکاح مکہ میں ہوا اور ہجرت کے بعد قریبی زمانے رخصتی بھی ہوئی اس لئے یہ آیت بی بی عائشہؓ کے نکاح کے ضمن میں پیش نہیں کی جاسکتی اس ضمن میں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بی بی عائشہؓ کے نکاح سے متعلق حدیث پر جو باب قائم کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے قرشی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

﴿یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ امام بخاریؒ کے انتقال کے وقت یہ کتاب حالیہ ترتیب میں نہیں تھی بلکہ بخاری کے مقدمہ میں کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں یوں لکھا ہے، حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا میں نے صحیح بخاری کو نقل کیا اصل کتاب سے جو امام بخاریؒ کے ساتھی محمد بن یوسف فریری کے پاس تھی، اسمیں بعض چیزیں تمام نہ تھیں، بعض جگہوں پر بیاض تھی بعض تراجم تھے جن کے بعد کچھ نہ تھا، بعض احادیث تھیں جن کا ترجمہ باب نہ تھا تو ہم نے ایک کو دوسرے کے ساتھ اضافہ کیا بحوالہ صحیح بخاری جلد اول، اب اس تفصیل سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ یہ ترتیب امام بخاریؒ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ بخاریؒ نے ''واللائی لم یحضن'' کا باب قائم ضرور کیا تھا لیکن انہیں ایسی نابالغ لڑکی کی طلاق سے متعلق کوئی حدیث نہیں ملی اس لئے اس جگہ کو انہوں نے خالی چھوڑ دیا بعد میں ترتیب دینے والوں نے اس خالی جگہ کو اپنی صواب دید پر بی بی عائشہؓ کی روایت کے اضافہ سے اسے پورا کر دیا﴾

اپنے اس بیان میں قرشی صاحب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ امام بخاریؒ نابالغ لڑکی کی شادی کے قائل تھے اسلئے انھوں نے ''واللائی لم یحضن'' کا باب نابالغ لڑکی کی طلاق کے بعد عدت پر استدلال کرنے کے لئے قائم کیا تھا لیکن اس متعلق امام بخاریؒ کو کوئی حدیث نہیں ملی اور صاف ظاہر ہے کہ طلاق کے بعد عدت کا مسئلہ اس وقت پیش آتا ہے جب لڑکی سے شوہر صحبت کر چکا ہو پس قرشی صاحب کے بقول امام بخاری کم

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سن لڑکی کے نکاح اور رخصتی کے دونوں کے قائل تھے یعنی امام بخاریؒ نے بھی سورۃ طلاق کی اس آیت کی وہی تفسیر سمجھی تھی جو مولانا عطاءاللہ صاحب نے حصہ اول میں مختلف تفاسیر کے حوالے سے بیان کی ہے اب اگر ہم فرض کرلیں کہ امام بخاریؒ نے واقعی اس باب کے تحت کوئی حدیث نقل نہیں کی تب بھی قرآن کی آیت نے تو اعلان کردیا کہ نابالغ لڑکی کا نکاح اور رخصتی جائز ہے اس صورت میں قرشی صاحب اپنے اس دعویٰ کا کیا کریں گے کہ امت مسلمہ کی چودہ سال کی تاریخ میں کبھی کسی نے کم سن لڑکی سے شادی نہیں کی اور کیا ایسی بات کہنے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ قرآن کی اس آیت پر امت مسلمہ میں سے کسی نے کبھی عمل ہی نہیں کیا پھر قرشی صاحب نے سنت کے بارے میں بڑے جذباتی ہوکر کہا تھا کہ ''سنت پر عمل کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے اور سنت اسی وقت پہچانی جائے گی جب اس پر عمل کیا جائیگا'' ہمارا سوال ہے کہ کیا قرآن پر عمل کرنا ضروری نہیں جو قرشی صاحب قرآن کی مخالفت پر ڈٹ گئے ہیں؟ باقی رہا یہ اعتراض کہ صحیح بخاری امام بخاریؒ کی وفات کے وقت اپنی حالیہ ترتیب پر نہیں تھی اس لئے بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث کو امام بخاریؒ کے بعد والے ساتھیوں اور شاگردوں نے اپنی صواب دید پر اس باب کے تحت جوڑ دیا جو آج تک صحیح بخاری میں موجود ہے غلط قرار پائے گا درحقیقت قرشی صاحب کا یہ اعتراض بلا دلیل اور محض انکے اپنے ذہن کی پیداوار ہے کیونکہ ایسا کہیں نہیں لکھا کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح والی حدیث پر باب امام بخاریؒ نے نہیں بلکہ بعد والے لوگوں نے قائم کیا ہے یعنی اگر ایسا ہوتا تو صحیح بخاری کے شارحین مثلاً حافظ ابن حجر یا علامہ عینی وغیرہ میں سے کوئی نہ کوئی اسے ضرور ذکر کرتا لیکن ایسا نہیں ہوا جو اس بات کی دلیل ہے کہ بی بی عائشہؓ کے نکاح پر قائم ہونے والا باب:

﴿باب انکاح الرجل ولده الصغار لقول الله تعالىٰ "واللائی لم یحضن" فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ﴾

یعنی ''باب اس بات پر کہ آدمی اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ [واللائی لم یحضن] یعنی نابالغ لڑکی کی عدت تین ماہ ہے'' امام بخاریؒ کا قائم کردہ باب ہے یا کم از کم امام بخاری کی منشاء کے عین مطابق ضرور ہے، علاوہ ازیں ایک اعتراض قرشی صاحب کو یہ بھی ہے کہ بی بی عائشہؓ

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا نبی کریم ﷺ سے نکاح اگر کم سنی میں ہوا ہو تب بھی یہ سورۃ طلاق کی مذکورہ آیت کی تفسیر نہیں ہو سکتا اسکی تفصیل میں وہ لکھتے ہیں کہ:

﴿سورۃ طلاق مدینہ میں اتری جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دخول رسول اللہ ﷺ کے گھر اس آیت کے نزول سے قبل ہی ہو چکا تھا اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ صدیقہؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت سے قبل بی بی خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ہو چکا تھا، اب آیت واللائی لم یحضن کے متعلق یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا صدیقہؓ سے نکاح اس آیت کی عملی تفسیر ہے اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے اور اس نکاح کو اسلام کا ایک اصول اور قرآن سے ماخوذ کہنا اور اس پر زور دینا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے اترنے کے بعد صدیقہؓ سے نکاح فرما کر عملی تفسیر بیان کی کہنا قرآن کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مذاق ہے، شائد لکھنے والے کے دماغ میں حضرت زینب ام المومنین کا نکاح گردش کر رہا ہو جو حقیقتاً قرآنی آیت کی عملی تفسیر ہے﴾

ہمیں قریشی صاحب کی اس بات سے اتفاق ہے کہ بی بی عائشہؓ کا نکاح مکہ میں ہو چکا تھا جبکہ سورۃ طلاق کی زیر بحث آیت مدنی ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ نبی کا ہر فعل اور عمل قرآن کا حکم اترنے کے بعد واقع ہو بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی جلی یعنی قرآن کے نازل کرنے سے قبل وحی خفی کے ذریعہ کسی کام کا حکم اپنے نبی کو دیتا ہے اسکے بعد قرآن کے ذریعہ اسکی تائید وتوثیق فرما دیتا ہے مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کفار مکہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا اسکا حکم قرآن میں اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا لیکن بعد میں قرآن کی آیات نازل ہو گئیں جن سے نبی کریم ﷺ کے اس فعل کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا اس لئے نبی کریم ﷺ کے اس عمل کو قرآن کی تفسیر کہا جائے گا اسی طرح بی بی عائشہؓ سے نکاح کا حکم نبی کریم ﷺ کو خواب کی صورت میں دے دیا گیا تھا جس کا تذکرہ صحیح بخاری کی حدیث کے حوالے سے قریشی صاحب نے بھی کیا ہے اسکے بعد قرآن کی آیت نے اس نکاح کی توثیق کر دی یعنی نبی کے کسی بھی قول، فعل اور عمل کی مشروعیت شان نزول کی محتاج نہیں ہوتی البتہ اس سلسلہ میں قریشی صاحب کا مولانا عطاء اللہ کی جانب یہ بات منسوب

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا کہ ''نبی کریم ﷺ نے سورۃ طلاق کی اس آیت کے اترنے کے بعد بی بی عائشہؓ سے نکاح کر کے اس آیت کی عملی تفسیر بیان کی''، قطعی بے بنیاد اور جھوٹ بات ہے ایسا عطاء اللہ صاحب نے کہیں نہیں لکھا بلکہ انکا اشارہ اسی طرف تھا کہ نبی کریم ﷺ نے بی بی عائشہؓ سے نکاح کر کے اس آیت کی عملی صورت کو بھی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور قرشی صاحب کا یہ کہنا کہ ''شائد لکھنے والے کے دماغ میں حضرت زینب ام المومنین کا نکاح گردش کرر ہا ہو جو حقیقتاً قرآنی آیت کی عملی تفسیر ہے'' انکی عقل خبط ہو جانے کی علامت ہے کیونکہ بی بی زینبؓ کا نبی کریم ﷺ سے نکاح اس روئے زمین پر ہوا ہی نہیں اس نکاح کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ہی منعقد کر دیا تھا اور بی بی زینبؓ کو اپنی زوجیت میں لینے کا حکم نبی کریم ﷺ کو دے دیا گیا تھا جبکہ بی بی عائشہؓ کا نکاح جو آیت قرآنی کی عملی تفسیر ہے اسے قرشی صاحب تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں اور دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری کی اردو شرح تیسیر الباری از علامہ وحید الزماں میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ بی بی عائشہؓ کا نکاح قرآنی آیت کی عملی تفسیر ہے معلوم ہونا چاہیے کہ تیسیر الباری صحیح بخاری کی اصل شرح فتح الباری کا مختصر اردو ترجمہ ہے لہذا ہم قارئین کے سامنے فتح الباری کی اصل عبارت پیش کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث پر قائم باب سے کیا مطلب اخذ کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ان نكاح قبل البلوغ جائز،وهو استنباط حسن،لكن ليس في الاية تخصيص ذالك بالوالد ولا بالبكر، ويمكن ان يقال الاصل في الابضاع التحريم الامادل عليه الدليل ، وقد ورد حديث عائشة في تزويج ابي بكر لها وهي دون البلوغ فبقي ماعداه على الاصل ، ولهذا السر اورد حديث عائشة ، قال المهلب :اجمعوا انه يجوز للاب تزويج ابنته الصغيرة البكر ولو كانت لايوطا مثلها ، الاان الطحاوي حكى عن ابن شبرمة منعه فيمن لا توطا،وحكى ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقاً ان الاب لا تجويز الحسن والنخعي للاب اجبار بنته كبيرة كانت اوصغيرة بكراً كانت اوثيباً☆ تنبيه:وقع في حديث عائشة من هذا الوجه ادرج يظهر من الطريق التي في الباب الذي بعده ☆ فتح الباری شرح صحیح بخاری﴾

یعنی ''بلوغت سے قبل نکاح جائز ہے ،امام بخاری نے اس سے اچھا استنباط کیا ہے لیکن اس آیت کا حکم صرف اولاد اور غیر شادی شدہ کے حق میں خاص ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے اسکی کوئی اصل ہو جس پر دلیل قائم کی گئی ہو اس ضمن میں بی بی عائشہؓ کی واردشدہ حدیث جس میں ابوبکر صدیق کا بی بی عائشہؓ کا نکاح بلوغت سے قبل کر دینا اصل اصول ہے،مھلب نے کہا اس بات پر اجماع ہے کہ باپ کم سن لڑکی کی شادی کرسکتا ہے،البتہ امام طحاوی نے ابن شبرمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ نابالغ کی رخصتی جائز نہیں جبکہ ابن حزم نے ابن شبرمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مطلق شادی جائز نہیں کیونکہ بی بی عائشہؓ کا کم سنی میں نبی کریم ﷺ سے نکاح کرنا نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے تھا،اور حسن بصری اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ باپ اپنی لڑکی کا نکاح جبراً بھی کرسکتا ہے خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ اور خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ. [تنبیہ: اس باب کے تحت بی بی عائشہؓ کے نکاح والی روایت لانے کا مقصد اسی پر استدلال کرنا ہے]'' فتح الباری کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ بی بی عائشہؓ کے کم سنی کے نکاح کے تمام اہل علم قائل ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ بھی قائل ہیں جو نابالغ کی شادی کے قائل نہیں اور وہ بی بی عائشہؓ کی اس شادی کو نبی کریم ﷺ کے خصائص میں شمار

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی یہ روایت جس میں بی بی عائشہؓ کی نکاح کی عمر چھ سال اور رخصتی کی عمر نو سال بیان کی گئی ہے تمام امت مسلمہ کے نزدیک قطعی طور پر صحیح اور ثابت ہے اور محض مغرب زدہ مرعوب ذہنیت کے حاملین کا اس صحیح حدیث سے انکار تمام احادیث صحیحہ کے انکار کے مترادف ہے اسی طرح جیسے ایک قرآنی آیت کا انکار پورے قرآن کے انکار کے مترادف شمار ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس شقاوت قلبی سے ہم سب کو محفوظ و مامون رکھے آمین۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین،متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ